ختم نبوت زندہ باد — یا اللہ مدد — خلافت راشدہ، حق چار یارؓ

خدا تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کے قیام......اور......
نظام خلافت راشدہ کے احیاء نفاذ کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر گجرات

بفیضان نظر

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ
امام المفسرین حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ
فخر اہل سنت حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
ترجمان اہل سنت حضرت مولانا نذیر اللہ خان نور اللہ مرقدہ

خصوصی اشاعت نظریہ پاکستان......اور......ایاز امیر

پاکستانی ایم، این، اے ایاز امیر
اور......امریکی پادری ٹیری جونز......کی
شرمناک......ذہنی ہم آہنگی

ایاز امیر کہتے ہیں......................................

قادیانیوں کے خلاف پارلیمنٹ کا فیصلہ غلط تھا......قادیانیت آرڈیننس کو قانون کی کتابوں سے نکال دینا چاہیے......حدود اللہ کے اسلامی قوانین نے شر پسندی پیدا کی......پاکستان نہ تو اسلام کیلئے بنایا گیا نہ اسلامی نظام کی یہاں ضرورت ہے......قرارداد مقاصد دستور کا حصہ کیوں بنی؟

ٹیری جونز کا انٹرویو!

11، ستمبر کو قرآن جلا کر دنیا کو یہ پیغام دینا چاہتے تھے کہ اسلام اور اسلامی قوانین کا راستہ روکا جائے۔ ہم مسلمانوں کے خلاف نہیں انہیں عبادت کرنے کی آزادی ہے لیکن ان کے وحشی، اسلامی قوانین کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔

زیر سرپرستی

پیر طریقت حضرت مولانا حبیب الرحمن سومرو مدظلہ	حیدر آباد
نمونہ سلف حضرت مولانا مفتی محمد حسن مدظلہ	لاہور
قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی ظہور حسین اظہر مدظلہ	چکوال
شیخ الحدیث حضرت مولانا علامہ عبدالقدوس قارن مدظلہ	گوجرانوالہ
فاضل جلیل حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہ	کندیاں شریف

زیر نگرانی

محقق اہل سنت حضرت مولانا حافظ
عبدالحق خان بشیر نقشبندی مدظلہ
امیر پاکستان شریعت کونسل پنجاب

حق چار یارؓ اکیڈمی مدرسہ و محلہ حیات النبیؐ نزد فوارہ چوک، گجرات

خدا تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کے قیام ......اور
نظام خلافت راشدہ کے احیاء نفاذ کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر گجرات

خصوصی اشاعت نظریہ پاکستان ......اور......ایاز امیر

اللؤلؤ والمرجان..................حافظ احسن خدامی

کیا گل کی پتی سے بھی کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر؟

قارئین کرام! مجلہ صفدر کا دوسرا خصوصی شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے ہمارے لئے یہ انتہائی خوشی و مسرت کا مقام ہے کہ اس مجلہ کا آغاز خواجۂ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب نوراللہ مرقدہ کی خدمات جلیلہ پر مشتمل شیخ المشائخ نمبر سے ہوا جسے برادر عزیز حافظ سرفراز حسن خان حمزہ سلمہ اللہ نے بڑی محنت وکاوش سے ترتیب دیا انتہائی قلیل وقت میں اتنا مفصل سوانحی ذخیرہ جمع کر کے شائع کر دینا اس کی بڑی ہمت ہے خدا تعالیٰ اس کی اس مخلصانہ کاوش کو قبول فرمائے آمین۔ حقیقت یہ ہے کہ مجلہ صفدر کا اجراء بھی اسی کی تجویز وتحریک ہے جس سے اس کا مقصد حضرت دادا جانؒ اور حضرت نانا جانؒ کی وساطت سے اسلاف دیوبند کے جو علوم وافکار ہم تک پہنچے ان کی حفاظت واشاعت کا فریضہ سر انجام دینا ہے اس کا دوسرا شمارہ بھی "خصوصی نمبر" ہے جو مسلم لیگی ایم۔ این اے جناب ایاز امیر صاحب کے بعض اسلام دشمن "اخباری کالمز" کے خلاف حضرت والد محترم مدظلہ نے تحریر فرمایا جو پاکستان کے معروضی حالات کی روشنی میں ناگزیر تھا جنرل پرویز مشرف نے اپنے عہد اقتدار میں "قادیانیت اور سیکولرازم" کے مردہ گھوڑوں میں جان ڈالنے کی جو مذموم کوشش کی اس سے بعض اسلام دشمن لابیوں کو 73ء کے آئین کے بعد ایک بار پھر اسلامی قانون سازی کے خلاف متحرک ہونے کا موقع مل گیا۔ درحقیقت قلم وقرطاس کے ذریعہ "ہوائی قلعے" تعمیر کرنے والے نازک مزاک اشترا کی کالم نویس اسلامی قانون سازی کیلئے سرگرم عمل مذہبی قوتوں کی اس فکری واعصابی قوت کا ادراک نہیں کر پارہے نہ ان کی حکمت ودانش کو محسوس کر پارہے ہیں "جو" برٹش امپائر اور سوویت یونین کے بخیے ادھیڑ چکی ہے اور جس کے سامنے امریکہ اور اس کی اتحادی یورپین یونین گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہے احمقوں کی جنت میں بسنے والے یہ سیکولر کالم نویس شاید "گل کی پتی سے ہیرے کا جگر تراشنے" کے چکر میں ہیں جو یقیناً ان کے بس میں نہیں ہے خدا تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

برائے رابطہ

	حاجی محمد عارف	0333-8423141
حافظ منیر احمد 0300-6251442	حافظ زاہد رسول وریاہ	0301-6204520
قاری محمد اجمل 0303-7448770	راشد فاروق چوہدری	0346-6878866

زر تعاون فی شمارہ -/20 روپے

حافظ یاسر احمد پریس بلاک 11 سرگودھا 0333-6782426

حق چار یار اکیڈمی مدرسہ ومحلہ حیات النبی نزد فوارہ چوک، گجرات

کچھ بھی ہوا اہتمام گلستان کریں گے ہم (ان شاء اللہ العزیز)

حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی

قارئین کرام! شیخ مکرم، والد محترم، سیدی وسندی ومرشدی ومولائی، امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ نے اپنے شیوخ ومشائخ سے جو علمی وفکری وراثت پائی اور اسے تعلیم وتربیت کے ذریعہ ہمارے سینوں میں منتقل کیا، جملہ برادران مولانا علامہ زاہد الراشدی مدظلہ مولانا علامہ عبدالقدوس قارن مدظلہ، مولانا قاری حماد الزہراوی مدظلہ، مولانا علامہ رشید الحق عابد مدظلہ اور مولانا قاری عزیز الرحمن شاہد مدظلہ، نے بحمد اللہ تعالیٰ حسب استطاعت اپنے اپنے مزاج کے مطابق اور اپنے اپنے میدان میں اس وراثت کی حفاظت واشاعت کا فریضہ سرانجام دیا اور تاحال دے رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو قبول اور ان میں ترقی عطا فرمائے (آمین)

بندۂ ناچیز، ناکارہ اپنی کم ہمتی، طبعی غفلت، مزاجی سستی، تنہائی پسندی، علمی کمزوری اور عملی کوتاہی کی وجہ سے اس وراثت کی حفاظت واشاعت میں دیگر بھائیوں کی گرد راہ کو بھی نہ پاسکا جس کا دل میں از حد ملال تھا۔ شاید اسی حزن وملال کا بوجھ ان ناتواں کندھوں کو سدا جھکائے رکھتا کہ قدرت نے غیب سے کرم کے دریا بہادیئے۔ فضل وانعام کے بادل برسادیئے اور میرے بچوں (احسن خدامی، حمزہ احسانی اور انس نعمانی سلمہم اللہ تعالیٰ) کو چھوٹی عمر میں ہی ان علمی وفنی صلاحیتوں سے نوازا، جن کے ذریعہ وہ میری علمی کمزوریوں اور طبعی غفلتوں کی بہت حد تک تلافی کرسکیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ گویا اسلاف دیوبند کا علم وفکر میرے شیخ ومرشد حضرت والد محترم نور اللہ مرقدہ کی تیسری نسل اپنی حفاظت وحصار میں لے چکی ہے۔ قدرت کے اس انمول انعام واحسان کا میں جس قدر بھی شکر ادا کروں کم ہے مجھے اس کی ذات کریمی سے پوری امید ہے کہ وہ اپنی خصوصی نصرت ورحمت کے سایہ میں ان بچوں کو ترقی وعروج کی سعادتوں سے نوازے گا۔ اور ان کی دینی ومسلکی محنتوں کو قبول فرمائے گا (ان شاء اللہ العزیز) میری دلی دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر قسم کے دنیوی واخروی شرور وفتن سے محفوظ فرمائے آمین یارب العالمین وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

عزیزم حافظ احسن خدامی (شریک دورہ حدیث) کے مختلف عنوانات پر متعدد فکری وسوانحی مضامین خاندانی ومسلکی بزرگوں سے داد تحسین وصول کرچکے ہیں جبکہ عزیزم حمزہ احسانی (شریک موقوف علیہ) نے "مجلہ المصطفیٰ بہاولپور" کا امام اہلسنت نمبر اور مجلہ صفدر گجرات کا "شیخ المشائخ نمبر" کی ترتیب وتدوین کا دشوار گزار عظیم معرکہ سر کرکے میرا سر فخر سے بلند کردیا ہے۔ ممکن ہے ان بچوں کی ذہنی وفنی ناپختگی کی وجہ سے تحریر وادب کی وہ چاشنی نہ مل سکے جن کی اہل ذوق کو تلاش رہتی ہے لیکن اگر ان کی تحریری کاوشوں کو ان کی عمر اور ان کے تعلیمی درجات کے حوالہ سے دیکھا جائے تو ان کی یہ کاوش متوسط درجہ کے اہل قلم کے علمی وادبی شاہکاروں سے کم نہ ہوگی۔ 30 سالہ قلمی جدوجہد کے باوجود میں علم وادب کی وہ منزل نہ پاسکا جو ان بچوں نے بحمد اللہ تعالیٰ لڑکپن میں ہی حاصل کرلی ہے۔ میں علمی وفنی اعتبار سے اگرچہ ارباب علم وذوق کے معیار پر پورا نہ اتر سکا، لیکن میری نسبی وصہری نسبتیں اور فکر دیوبند سے غیر متزلزل وابستگی میری جملہ علمی وفنی کوتاہیوں کی پردہ پوشی کرتی رہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔ میری طرف سے فنی تربیت کے بغیر ہی ان بچوں نے جو یہ مقام حاصل کرلیا ہے میں اسے قدرت کا خصوصی عطیہ سمجھتا ہوں ان کے شدید اصرار وخواہش کے باوجود اپنی طبعی غفلت وسستی کی وجہ سے میں قبل از اشاعت کے مضامین کا مطالعہ نہ کرسکا جس کی وجہ سے بعض ایسی چیزیں بھی زیر اشاعت آگئیں جو بہر حال نہیں آنی چاہئیں تھیں۔ لیکن یہ بہر حال حقیقت ہے کہ ان کا قلم فکر دیوبند سے بے راہ نہیں ہوا یہی خوبی وکمال میرے شیخ ومرشد امام اہل سنت کو پسند تھا...... اسی کی خواہش وتمنا میرے قائد اہل سنت کو تھی...... اسی پہ مرنے کا میں آرزومند ہوں...... اور اسی میں اپنے بچوں کی دنیوی واخروی فلاح ونجات چاہتا ہوں...... مجلہ صفدر بھی ان شاء اللہ العزیز اسی فکر دیوبند کا آئینہ ثابت ہوگا۔ جملہ اکابر واصاغر سے اس کی ترقی وکامیابی کے لئے خصوصی دعاوں کی درخواست ہے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ایـــاز امیــر کـــی ڈبل گیم

ووٹ مسلمانوں کے ...... وکالت قادیانیوں کی

نوٹ: زیرنظر مضمون میں ایوان صدر کے دوفوجی جرنیلوں کے ایک دوسرے سے بالکل برعکس قومی، ملکی، اور اسلامی حوالہ سے سیاسی کردار کا جائزہ لیا گیا ہے اس سے کسی فوجی حکومت کی حمایت یا جواز کا تاثر نہ لیا جائے، شکریہ.................(مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر)

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

برادران اہل سنت والجماعت!

برصغیر پاک وہند کا ہر صاحب علم وشعور مسلمان اس حقیقت سے باخبر ہے کہ مملکت خداداد پاکستان ایک خالص مذہبی واسلامی ریاست ہے، جسے دوقومی نظریہ (مسلم وغیر مسلم) کی بنیاد پر حاصل کیا گیا۔ اسی دوقومی نظریہ کی بنیاد پر تقسیم ہند کا فارمولا تیار ہوا، یہی قیام پاکستان کا مقصد اور یہی اس کی شناخت قرار پایا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ تصور کب ابھرا؟ اور اس نظریہ کا خالق کون ہے؟ یہ بہرحال ایک حقیقت ہے کہ اس نظریہ کے پیچھے اسلام پسند مذہبی قوتوں کی ۲۰۰ سالہ سیاسی جدوجہد اور ان گنت قربانیوں کی روشن وتابناک تاریخ موجود ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد!

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد علماء ومجاہدین پر وحشت وبربریت کے وہ پہاڑ توڑے گئے کہ چنگیز خان وہلاکو خان کی روحیں بھی تڑپ اٹھیں...... ☆ سترہ ہزار سے زائد علماء کو درختوں پر پھانسی دی گئی...... ☆ سینکڑوں علماء توپ کے دہانوں سے باندھ کر گولوں سے اڑائے گئے...... ☆ سینکڑوں علماء کو کچے چونے میں ڈال کر ان پر پانی ڈالا گیا، جن کا گوشت ہڈیوں سے الگ ہوگیا...... ☆ سینکڑوں علماء کو زمین میں گاڑھ کر بھوکے کتوں سے نُچوایا گیا...... ☆ ہزاروں علماء کو عبور دریائے شور کی سزائیں دی گئیں...... ☆ ہزاروں علماء پس دیوار زنداں کردیئے گئے...... ☆ مدارس بلڈوز کردیئے گئے...... ☆ مساجد ویران کردی گئیں...... ☆ قرآن پاک کے نسخے جلائے گئے...... ☆ علماء کی جائیدادیں ضبط کرکے نیلام کردی گئیں...... ☆ غرضیکہ ریاستی جبر کے ذریعے فرنگی سامراجیت نے اپنی طرف سے مکمل سیکولر ماحول تیار کرلیا، لیکن اس تمام وحشت وبربریت کے باوجود وہ اپنے مذموم وشرمناک عزائم ومقاصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔

برطانوی سامراج......اور...... ہندی جاگیردار!

جب فرنگی سامراج مجاہدین حریت کی جدوجہد کے سامنے بے بس ہوکر ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہوگیا تو اس نے تقسیم ہند کے مجوزہ منصوبہ پر عمل کرتے ہوئے اس بات کی سرتوڑ کوشش کی کہ پاکستان کے اندر کسی بھی صورت ان لوگوں کی حکومت قائم نہ ہونے پائے جو آزادیٔ ہند کی تحریکات میں شامل رہے۔ ان علماء ومجاہدین کو اقتدار وسیاست سے دور رکھنے کے لیے اس نے ان جاگیرداروں کو متحرک کردیا، جن کو شاید اسی وقت کے لیے تیار کیا گیا تھا، جنہوں نے مجاہدین کی مخبریاں کرکے فرنگی سامراج سے اپنی وفاداریوں اور ضمیر فروشیوں کا پورا پورا معاوضہ وصول کیا اور فرنگی منصوبہ کے تحت قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم کے گرد گھیرا ڈال لیا۔

سیکولر حلقے...... بھی...... میدان میں!

۱۹۱۷ء کے انقلاب روس کے بعد کارل مارکس کے معاشی فلسفہ پر یقین رکھنے والے انقلابیوں نے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے ۸۰ لاکھ سے زائد انسانوں کا قتل عام کرکے ان کی

لاشوں پر کیمونسٹ انقلاب کی بنیاد رکھی تو ہندوستان کے اندر بھی یہ اشتراکی ذہنیت سر اٹھانے لگی۔ اشتراکی تحریک کے دو بنیادی اصول ہیں...... سامراجیت کا خاتمہ اور مذہب کے خلاف نفرت...... چونکہ برصغیر میں برطانوی سامراجیت کے خلاف اول تا آخر برسرِپیکار مذہبی قوتیں تھیں، اس لیے اشتراکی فلسفہ کی دال یہاں گلنی مشکل تھی، لہٰذا انہوں نے یورپ میں استعمال ہونے والی "سیکولرازم" کی اصطلاح پر اکتفا کرنا ضروری سمجھا، جس سے مذہب کی بالکل نفی اور انکار لازم نہ آئے، البتہ مذہب کو پرسنل و ذاتی معاملہ قرار دے کر اسے ریاست سے بے دخل کر دیا جائے۔ جس کے بارہ میں علامہ اقبال مرحومؒ نے فرمایا کہ

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس طبقہ نے مسلم لیگ کے اندر بھی اپنے اثرات و جراثیم چھوڑنے کی کوشش کی، لیکن قائداعظم مرحوم نے اس کا سختی سے نوٹس لیتے ہوئے اپنے ۱۹۴۴ء کے خطبہ لاہور میں فرمایا کہ

"میں کیمونسٹ پارٹی کو خبردار کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو نہ چھیڑے، مسلمانوں کے پاس انکی راہنمائی کے لیے اسلام موجود ہے، جو ان کے لیے مکمل ضابطۂ حیات ہے، ان کو کسی ازم کی ضرورت نہیں۔"

قائداعظم مرحوم کے اس واضح اعلان نے سیکولرازم کی آڑ میں چھپی اشتراکیت پر سکوتِ مرگ طاری کر دیا، البتہ قیام پاکستان کے بعد پھر اس طبقہ نے پر پُرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ بہر حال پاکستان کے اندر اشتراکی دانشوروں کے سیاست میں داخل ہونے سے تین فکری و سیاسی طبقے سامنے آگئے

(۱) جاگیردار طبقہ! اس طبقہ کی غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے فرنگی طرزِ سیاست ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا۔ ان کی صرف رنگت ہی فرنگی سے مختلف تھی، ورنہ ان کی ذہنیت میں سرِمو فرق نہ تھا۔ ان کا ضمیر و مذہب صرف ڈالر، پونڈ، جاگیریں اور منصب تھا۔ غلامانہ ذہنیت رکھنے والا یہ طبقہ قوم کو غلامی سے بڑا تحفہ کیا دے سکتا تھا؟ اس نے قوم و ملک کو "امریکن بلاک" میں گروی رکھنے کا فیصلہ کر رکھا تھا، اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔

(۲) سیکولر طبقہ! یہ طبقہ بھی خود غرضی اور مفاد پرستی کے خول میں بند تھا، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر اس طبقہ نے اپنا خاصہ اثر قائم کر لیا تھا، اپنی غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے یہ ملک و قوم کو "رشین بلاک" کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا تھا، لیکن اپنے اس "یک نکاتی" ایجنڈہ میں کامیابی حاصل نہ کر سکا۔

(۳) مذہبی طبقہ! جو علماء و مجاہدین حریت پر مشتمل تھا، نظریہ پاکستان پر سختی سے قائم تھا اور اسکی روشنی میں تمام مکاتبِ فکر نے مل کر متفقہ طور پر اسلامی قانون سازی کے لیے ۲۲ نکات بھی مرتب کر لئے تھے، وہ خود انحصاری پر یقین رکھتا تھا، اور کسی قسم کے دفاعی و معاشی معاہدوں کی آڑ میں ملک و قوم کو کسی بڑی طاقت کا مرہونِ منت بنانے کے خلاف تھا، اس کے برعکس دیگر مسلم ممالک سے ٹھوس بنیادوں پر ربط و تعلق قائم کر کے "اسلامک بلاک" بنانے کا خواہش مند تھا، لیکن اول الذکر دونوں طبقوں نے مشترکہ مفاد کی بنیاد پر اس مذہبی طبقہ کے لیے اقتدار و سیاست کو "شجرِ ممنوعہ" بنا رکھا تھا، اور اب تک یہی عالم ہے۔

دستور سازی کی بنیاد!

قائداعظم مرحوم چونکہ قیام پاکستان سے قبل بیسیوں بار اپنی تقاریر و بیانات میں یہ اعلان کر چکے تھے کہ پاکستان کا دستور قرآن و سنت کے مطابق خالص اسلامی ہوگا۔ اس لیے وہ انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اس کی راہیں تلاش کر رہے تھے، وہ اپنے اردگرد کی رکاوٹوں کی وجہ سے پریشان ضرور تھے، لیکن اس مقصد سے غافل نہ تھے، وہ تمام رکاوٹوں اور مزاحمتوں کے باوجود دستور اسلامی کی تیاری کا فیصلہ کر چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دستور سازی کی اہلیت رکھنے والے افراد سے دستوری خاکے تیار کرنے کی درخواست کی، لیکن اس مقصد کے لیے ان کی تمام تر توجہ مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ پر مرکوز تھی، اور انہی کے تیار کردہ دستوری خاکہ سے انہوں نے اپنی تمام امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں، چنانچہ ان کی امید و خواہش کے عین مطابق علامہ عثمانیؒ کا دستوری خاکہ ہی بنیادی اہمیت کا حامل قرار پایا اور اسی کو بنیاد بنا کر قرارداد مرتب کرنے فیصلہ کیا گیا۔ بدقسمتی سے ابھی وہ قرارداد تکمیل کے مراحل میں تھی کہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظم مرحوم داغِ مفارقت دے گئے۔ ان کی رحلت

سے جملہ انتظامی وسیاسی امور تعطل والتوا کا شکار ہو کر رہ گئے، لیکن ملک کی بیدار مغز مذہبی قیادت حالات کی نزاکت کا پورا ادراک رکھتی تھی، اسے معلوم تھا کہ قائد اعظم مرحوم کے بعد ان بے لگام سیکولر قوتوں کو روکنے کا عزم وحوصلہ کسی اور لیڈر میں نہیں ہے، لہٰذا قرارداد کی منظوری میں تاخیر ملک وقوم کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے، اس لیے مذہبی قیادت نے صبر آزما جدوجہد کے بعد قائد اعظم مرحوم کی وفات سے تقریباً ۶ ماہ بعد ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو پہلی قانون ساز اسمبلی سے یہ قرارداد منظور کروائی، جسے قرارداد مقاصد کا نام دیا گیا، یعنی قیام پاکستان کے بنیادی مقاصد کی قرارداد۔ اس مقام پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی دستور سازی کے خلاف "امریکن بلاک" اور "رشین بلاک" دونوں مذہبی قوتوں کے خلاف متحد ہو چکے تھے یہی قرارداد مقاصد ......۱۹۵۶ء......۱۹۶۲ء......اور ۱۹۷۲ء ...... کے عبوری دساتیر کی بنیاد ٹھہری، اور اسی کی بنیاد پر ۱۹۷۳ء کا دستور مرتب ہوا۔

سیکولر حلقوں......کی......دوسری شکست!

سیکولر حلقوں اور مذہبی حلقوں کے درمیان دوسرا بڑا متنازعہ مسئلہ "پاکستان کی آئینی حیثیت" کا تعین تھا، سیکولر حلقوں کو چونکہ اسلام کے نام سے ہی چڑ تھی، اس لیے وہ "عوامی جمہوریہ پاکستان" کے خواب دیکھ رہے تھے، جبکہ مذہبی حلقے نظریہ پاکستان اور قرارداد مقاصد کی روشنی میں "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کا تصور ونعرہ لے کر اٹھے تھے، چنانچہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں پالیمنٹ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق پاکستان کی آئینی حیثیت "اسلامی جمہوریہ" تسلیم کر لی گئی، اور دستور کے "آرٹیکل ٹو" کے اندر اسلام کو پاکستان کا مملکتی مذہب قرار دیدیا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم خود سوشلسٹ لیڈر تھے "سوشلزم ہماری معیشت ہے" ان کا جماعتی وانتخابی نعرہ تھا۔ انکی سیاست یا طرز سیاست یا سیاسی رائے سے اختلاف کیا گیا ہے اور کیا جا سکتا ہے لیکن وہ ایک حقیقت شناس لیڈر تھے، جنکی زمینی حقائق پر گہری نظر تھی، اس لیے انہوں نے اور ان کی پارٹی نے نظریہ پاکستان اور قرارداد مقاصد کی روشنی میں پاکستان کی اس آئینی حیثیت کو نہ صرف قبول کیا، بلکہ اسے پارلیمنٹ سے بغیر کسی اختلاف کے منظور بھی کروالیا۔ لیکن تقریباً ۲۶ سال بعد سیکولر قوتوں کو جنرل پرویز مشرف جیسا اعلیٰ نسل کے کتے کو لیکر واک کرنے والا فوجی جرنیل ہاتھ لگا، تو یہ برسات کا وہ موسم تھا جب "روشن خیالی" کے نام پر "لبرل ازم" اور "سیکولرازم" کے مینڈکی ترانے ہر طرف گلیوں اور بازاروں میں سنائی دینے لگے، اس دور میں مذہبی طبقات کی ۵۵ سالہ خالص آئینی وجمہوری جدوجہد کا انتقام جس ریاستی جبر اور فوجی دسولین طاقت کے اندھے استعمال کے ذریعہ لیا گیا، علماء ومدارس کے خلاف باؤلے قانون کا بے رحم استعمال کیا گیا وہ تاریخ کا ایک سیاہ ترین باب ہے، جسے مستقبل کا مؤرخ کبھی نظر انداز نہیں کر سکے گا۔

ایاز امیر............صحافت سے......سیاست تک!

انہی سیکولر حلقوں کے ایک وکیل وترجمان جناب ایاز امیر (ایم،این،اے) بھی ہیں، جو ملک کے صحافتی اور چکوال کے عوامی حلقوں میں ایک معروف مقام رکھتے ہیں، ایک جرنلسٹ کی حیثیت سے ان کا مقام اچھے کالم نویسوں میں ہوتا ہے، ان کے انداز فکر اور طرز بیان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ سیکولر ذہنیت کے حامل ہیں، اور اسی فکر وفلسفہ کی ترجمانی کرتے ہیں، وہ غالباً ۱۹۹۶ء میں سیاست کے اندر آئے اور پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، لیکن سیاست سے نباہ نہ ہو سکا، شاید اس لیے کہ وہ ان کی قد آور شخصیت سے چھوٹی تھی، اور وہ اسمبلی کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے۔

ایاز امیر......اور......قائد اہل سنتؒ!

۲۰۰۲ء میں وہ سیاست کو قد کاٹھ کے برابر جان کر مسلم لیگ (ن) کی طرف سے امیدوار قومی اسمبلی بن کر سامنے آگئے، لیکن بدقسمتی سے اب یہ خود سیاست سے چھوٹے ہو چکے تھے، اس لیے جیت نہ سکے، اس شکست کی وجہ ان کے وہ دو کالم بن گئے جو الیکشن سے ڈیڑھ / دو ماہ قبل شائع ہوئے تھے، جن میں انہوں نے قادیانیت اور دستور پاکستان کی اسلامی دفعات سے متعلق وہی مؤقف اختیار کیا جو "وائیٹ ہاؤس" سے جاری کیا گیا تھا، اور تمام استعماری قوتیں اس کو اپنا ایجنڈہ بنا چکی تھیں۔ قائد اہل سنت حضرت

مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ (بانی: تحریک خدام اہل السنت والجماعت پاکستان) بھلا کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ ان کے حلقے کا کوئی امیدوار اسمبلی، امریکی ایجنڈہ پر کام کرے اور کامیاب ہو کر اسمبلی تک پہنچے، لہٰذا وہ مخالفت کے لئے میدان میں نکل آئے، جب ان کو ایاز امیر صاحب کے کالم سے یہ پتہ چلا کہ وہ ان کے مدرسے میں تعلیم قرآن حاصل کرنے کا مدعی بھی ہے۔ تو ان کی مخالفت میں شدت آگئی، کہ میرے مدرسہ میں قرآن کی تعلیم حاصل کرنے والا اور قادیانیت کی حمایت کرے؟ اسلامی قانون سازی کی مخالفت کرے؟ انہوں نے ضعف ونقاہت کے باوجود علاقے بھر کا دورہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چکوال کی سیٹ ایاز امیر صاحب سے بڑی ہو گئی، اور وہ الیکشن ہار گئے۔

ایاز امیر ...... کا ...... یوٹرن!

۲۰۰۸ء میں وہ پھر (ن) لیگ کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے لئے سامنے آگئے، لیکن گزشتہ الیکشن سے نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہوئے انہوں نے حیرت انگیز "یوٹرن" لیا، اور مولانا قاضی ظہور حسین اظہر مدظلہ (امیر: تحریک خدام اہل السنت والجماعت پاکستان) کو یقین دلایا کہ میرے متنازعہ کالم میں میرا نظریاتی مؤقف منقول نہیں بلکہ میری تجزیاتی رائے مذکور ہے۔ نظریاتی مؤقف میرا وہی ہے جو دیگر عام مسلمانوں کا ہے، اگرچہ ان کا یہ وضاحتی مؤقف ایک "انتخابی سیاسی بیان" سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن قائد تحریک نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی یقین دہانی پر ان کی حمایت کا اعلان کر دیا، اور اسی حمایت سے وہ کامیاب ہوئے۔

الزام کی صفائی ...... یا ...... سیاسی پتہ؟

ایاز امیر صاحب نے اپنی صفائی اپنے ایک کالم کے اختتامیہ میں حضرت قائد اہل سنت نور اللہ مرقدہ کے سامنے بھی پیش کی تھی، لیکن انہوں نے اسے مسترد کر دیا تھا، ایاز امیر صاحب کی یہ صفائی ان کے ۷، ستمبر ۲۰۰۲ کے کالم میں بایں الفاظ شائع ہوئی تھی کہ:

"میرے کالم "توہین دین کیا ہے؟" سے اس علاقہ کے مذہبی راہ نماؤں میں سے ایک عالم دین حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کو رنج ہوا ہے، مجھے بتایا گیا ہے کہ میرے اس تبصرہ سے احمدی عقیدہ کا دفاع ظاہر ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ میں احمدی عقیدہ کا دفاع نہیں جنرل ضیاء کی غیر معقول پالیسیوں کی نشاندہی کر رہا ہوں، حضرت قاضی صاحب کی ناراضگی میرے لیے اس لیے دکھ کا باعث ہے کہ میں نے ان کے مدرسہ سے قرآن حکیم پڑھا ہے۔"

اس وضاحتی بیان سے صاف طور پر اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ "انتخابی سیاسی پتہ" ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کے ذریعے اپنے ووٹروں کو تسلی دینے کی بجائے خود کو دلاسہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں، شاید اسی کو خود فریبی کہتے ہیں؟

قاضی صاحب کے مدرسہ میں .... تعلیم قرآن!

ایاز امیر صاحب اپنے اس آخری جملہ کے ذریعہ خدا معلوم عوام کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ میں قرآن پاک پڑھا ہوا ہوں، اور قرآن پاک پڑھا ہوا کوئی شخص قادیانیت نواز کیسے ہو سکتا ہے؟ ...... یا وہ اس جملہ کے ذریعہ قاضی صاحب کے حضور رحم کی اپیل کر رہے ہیں کہ میں نے بچپن کے اندر آپکے مدرسہ میں قرآن بھی پڑھا تھا پھر بھی آپ میری مخالفت کر رہے ہیں؟

قادیانی عقیدہ کا دفاع ...... یا ...... قادیانی پالیسی کی حمایت؟

ایاز امیر صاحب کا یہ کہنا بھی ناقابل فہم ہے کہ میں قادیانی عقیدہ کا دفاع نہیں کر رہا، کیونکہ کسی نے بھی ان پر قادیانی عقیدہ کے دفاع کا الزام عائد نہیں کیا، یہ ان کا "قلمی کرتب" ہے کہ اپنے آپ پر ایک خودساختہ الزام عائد کر کے اس سے برأت کا اعلان کر رہے ہیں،، اور جو الزام ان پر عائد کیا گیا ہے اس کے بارہ میں وہ قلم کو بھی "ہاتھ کی صفائی" دکھا گئے ہیں۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ قادیانی امت اپنے قادیانی عقائد وافکار کی حفاظت واشاعت کے لیے اپنے خلاف بنائے گئے پاکستانی قوانین کے خاتمہ کے لیے سرگرم ہے، اس مقصد کے لیے

عالمی استعماری قوتیں اس کی پشت پر موجود ہیں، اور اسلام دشمن میڈیا بھی ان کی مظلومیت کا رونا رو رہا ہے، اور ایاز امیر صاحب بھی انہی قوانین کے خاتمہ کا مطالبہ کر کے قادیانیت کے سیاسی مؤقف کی تائید وحمایت کر رہے ہیں...... قادیانی امت نے بھی جنرل ضیاء شہیدؒ کی اسلامی قانون سازی سے متعلق پالیسیوں کے خلاف آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے، اور ایاز امیر صاحب بھی انہی پالیسیوں کو ہدف تنقید بنا کر پورا پاکستان اپنے نرم ونازک کندھوں پر اٹھائے پھر رہے ہیں، گویا

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

کیا ایاز امیر کے کالم سے...... صرف قاضیؒ صاحب کو رنج ہوا؟

ایاز امیر صاحب کا یہ دعویٰ بھی سراسر غلط ہے کہ ان کے کالم سے صرف قاضی مظہر حسین صاحبؒ کو رنج ہوا۔ حالانکہ ان کے اس زہریلے کالم نے ہر اس مسلمان کے دل پر تیر ونشتر چلائے جو...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سچی محبت رکھتا ہے...... عقیدہ ختم نبوت پر اس کا کامل ایمان ہے، منکر ختم نبوت کو کافر وکاذب جانتا ہے، نظریہ پاکستان پر یقین رکھتا ہے قرارداد مقاصد کو دستور پاکستان کی جان سمجھتا ہے، اور ملک کے اندر اسلامی قوانین کا نفاذ اپنی دنیوی کامیابی اور اُخروی نجات کا ذریعہ ہونے کا یقین رکھتا ہے...... قاضی صاحب تو صرف ایاز امیر کی مخالفت کی وجہ سے سامنے آ گئے، ورنہ شاید انہیں قاضی صاحبؒ کے مدرسہ میں بچپن کے اندر پڑھے ہوئے قرآن حکیم کی بھولی بسری یادیں بھی تازہ نہ ہوتیں۔

یوٹرن...... پر...... یوٹرن!

ایاز امیر صاحب نے قائد تحریک مولانا قاضی ظہور حسین اظہر مدظلہ کے سامنے گزشتہ الیکشن (۲۰۰۸) میں اپنے مؤقف سے ''یوٹرن'' لیا...... لیکن الیکشن جیتنے کے تقریباً دو سال بعد (۱۰ جون ۲۰۱۰ء کو) ان کی سیکولر فکری بلی ایک بار پھر تھیلے سے باہر آ گئی، اسلامی قانون سازی کے حوالہ سے جنرل ضیاء شہیدؒ کے خلاف ان کے دل ودماغ کے زخم پھر سے تازہ ہو گئے، اور انہوں نے اسلامی قوانین کو پھر تختہ مشق بنا کر اپنے فکری حامیوں کو باور کرا دیا کہ میرا پہلا ''یوٹرن'' تو صرف انتخابی ڈپلومیسی کا حصہ تھا، اندر تو وہی کچھ ہے جو اَب اُگل رہا ہوں، اور ایسی ڈپلومیسی کے بغیر تو ہماری سیاست والیکشن دونوں نامکمل رہتے ہیں۔

مسلم نمائندگی...... یا...... قادیانی وکالت؟

سیکولر افراد وطبقات کو دین ومذہب کے خلاف ہر قسم کا فکری مٹیریل اشتراکی ویورپین ممالک سے سپلائی ہوتا ہے، اور اس کی اشاعت کے لیے وسائل بھی وہیں سے فراہم ہوتے ہیں، ہماری نوجوان وتعلیم یافتہ نسل ان کا ٹارگٹ ہے، دستور پاکستان کی اسلامی دفعات کے خاتمہ...... مذہبی قوتوں کے معاشرہ سے اثر ونفوذ کو ختم کرنے...... مدارس دینیہ کو سرکاری کنٹرول میں لینے...... دینی نصاب کا حلیہ بگاڑنے...... اور مشرقی تہذیب کو مغربی کلچر کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے پاکستان پر دہشت گردی کے حوالہ سے عالمی استعماری قوتوں نے جو اپنا سیاسی واقتصادی دباؤ بڑھا رکھا ہے، ایاز امیر صاحب غور فرمائیں وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی ایجنڈہ کا حصہ تو نہیں بن گئے؟

اور پھر ایاز امیر صاحب کو مسئلہ کے اس اہم پہلو سے بھی صرف نظر نہیں کرنی چاہیے کہ جب تک وہ صرف ایک صحافی تھے، ان کی ہر صحیح وغلط رائے کو ان کی شخصی رائے کے حوالے سے ہی دیکھا جاتا تھا، لیکن ان کے رکن پارلیمنٹ منتخب ہونے کے بعد وہ عوامی نمائندے بھی ہیں، اب ان پر قومی، ملکی اور قانونی امور میں اپنے ووٹروں کی رائے کا احترام کرنا لازم ہے، اور ان کے حقوق وافکار کی حفاظت وترجمانی کرنا ان کا آئینی فریضہ ہے، بالخصوص ایک ایسی رائے، جسکی وجہ سے ان کے عوام ان کو ایک الیکشن میں مسترد بھی کر چکے ہوں، اور اس رائے سے ''یوٹرن'' لینے کے بعد لوگوں نے ان کے حق میں ووٹ دیا ہو، ایسی رائے کو دوبارہ اختیار کرنا اپنے ووٹروں سے غداری کرنے اور اخلاق ودیانت کے مسلمہ اصولوں سے انحراف وروگردانی کرنے کے مترادف ہے۔ اور ہمارے خیال میں ایاز امیر صاحب کی دیانت وامانت بھی اس فلسفہ کو درست تسلیم نہیں کرے گی، کہ

ووٹ مسلمانوں کے...... وکالت قادیانیوں کی

ایاز امیر صاحب کے فکر و فلسفہ پر بحث ملاحظہ کرنے سے قبل ان کے وہ کالم مطالعہ فرمالیجیے جن کی روشنی میں ہم نے ان کے فکر و فلسفہ اور ان کے عزائم و مقاصد کا جائزہ لیا ہے۔

﴿☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆﴾

(کالم نمبر 1)

توہین دین کیا ہے؟

روز نامہ خبریں راولپنڈی 27 جولائی 2002

مہمان کالم......ایاز امیر......(بشکریہ ڈان: ترجمہ ریحان قیوم)

آئے دن ملک کے کسی تاریک کونے سے توہین دین کے متعلق کسی نہ کسی مقدمے کی خبر آتی رہتی ہے۔ اور خدمات سرانجام دینے پر مامور ڈسٹرکٹ جج آئے دن کسی نہ کسی شخص کو مجرم ثابت ہونے پر موت کی سزا سناتے ہیں جب ایسا کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو پاکستان کے مجموعی امیج کو ایک دھچکا لگتا ہے۔ توہین دین ایک سنگین معاملہ ہے لیکن حقیقت میں یہ کیا ہے؟ اسکی ظاہری شکل و صورت کے بجائے لب لباب کو ترجیح دیتے ہوئے ہم نے اسے اطلاقی جرم میں تبدیل کر دیا ہے جبکہ وسیع تر سیاق و سباق کو نظر انداز کر دیا ہے۔ جس کے تناظر میں اس کی تحقیق و تفتیش کو دیکھا جاسکتا ہے۔ معاندانہ تفتیش کے امکان سے قطع نظر ایک ایسی چیز جو ہر بار ہوتی ہے برسبیل تذکرہ اس ضمن میں ہم سب سے زیادہ قابل اعتراض کیس کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ کہ کسی جاہل اور گنوار شخص نے قرآن حکیم کے ایک یا دو ورق جلا دیئے ہیں یا خدایا اسکے رسول کی شان میں گستاخی اور بے حرمتی کے الفاظ منہ سے نکالے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی بھی درست اور صحیح ہوش و حواس والا شخص ایسا نہیں کر سکتا کم از کم یقیناً پاکستان میں جہاں مذہبی جذباتیت بہت زیادہ ہے لیکن پھر بھی اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آجاتا ہے تو ارتکاب کرنے والے کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے؟ ہماری ہمدردی اور اس شخص کی دماغی حالت کا معائنہ یا موت کی سزا؟ فرض کریں میری گلی میں کوئی شخص خدائی کا یا خدا کی طرف سے الہام ہونے کا دعویٰ کرتا ہے میں متجسس ہو جاؤں گا اور شاید کسی حد تک ششدر بھی ہو جاؤں میں یقیناً پولیس سٹیشن کی طرف نہیں بھاگوں گا کہ ایک جرم کی شکایت درج کرواؤں اگر میں اتنا بیوقوف بھی ثابت ہوا کہ ایسا کر بیٹھوں تو مجھے ایس ایچ او سے توقع ہوگی کہ وہ مجھ سے معاملہ دبانے کیلئے کہے لیکن اگر دور اندیشی پر جرات غالب آجائے اور ایک مقدمہ بھی درج ہو جائے تو میں متعلقہ جج سے توقع رکھوں گا کہ وہ ثبوت کی عدم موجودگی کی بناء پر مقدمہ خارج کر دے۔ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ کچھ برسوں سے تعصب اور عدم رواداری ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ رچ بس گئی ہے اور توہین دین کے چکر میں آنے والی تین پارٹیاں یعنی شکایت کنندہ پولیس افسر اور جج یہ سمجھتی ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہی ہیں اور اسکے بدلے میں انہیں ثواب بھی مل رہا ہے۔ یہ قانون کی وجہ سے ملنے والی جذباتی شدت ہے جو مذہبی راست روی کے لباس میں چھپی ہوئی ہے۔ میں کوئی مماثلت تو تلاش نہیں کر رہا لیکن فرقہ وارانہ دہشت گردی پر بھی غور کرتا ہوں جب کوئی اسلام کے نام پر کسی دوسرے کو مار دیتا ہے اپنے ارتکاب پر پچھتاوے کا احساس تو دور کی بات ہے وہ شخص اس کام کو اپنی عظمت سمجھتا ہے کیوں کہ وہ اس بات کا قائل ہوتا ہے کہ جب وہ کسی کافر کو قتل کرتا ہے تو اسکے عقیدے پر ضرب لگاتا ہے اور اپنے لیے جنت میں جگہ بنالیتا ہے صرف اس معاملے میں قانون کی وجہ سے دی گئی جذباتی شدت نہیں ہوتی آئیں اس رویے کو ایک بار پھر دیکھیں ضیا حکومت کی پالیسیوں نے جنہیں امریکی ڈالروں نے پروان چڑھایا تھا ایک ایسے ماحول کو فروغ دیا جس میں اسلام کے نام پر قتل کو ایک جائز عمل سمجھا گیا اس میں شک نہیں کہ ہم خود ہی اپنی بہت سی بدقسمتیوں کے ذمہ دار ہیں لیکن اس کی ذمہ داری امریکہ پر بھی عائد ہوتی ہے کیوں کہ ہماری بہت سی پریشانیوں کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ کچھ اپنے حقیقی عقیدے کی وجہ سے کچھ سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے جنرل ضیا نے مذہبی نعرہ بازی کو پاکستانی عوام کے گلوں میں ٹھونس دیا جبکہ ریگن انتظامیہ خوب داد دیتی رہی نتیجہ اظہر من الشمس ہے کہ اسلام کے نام پر دروغ گوئی اور الٹی سیدھی حرکتوں نے قومی سوچ کو ہی منجمد کر کے رکھ دیا اور حکومت کے اعلیٰ حلقوں میں ریاکاری کو تحفظ مل گیا اور آبادی کے ذیلی شعبوں میں قتل و غارت کے جذبات پھیل گئے جنرل پرویز مشرف اس رویے کا حصہ نہیں بنے انہوں نے مذہبی کارڈ نہیں کھیلا اور تعصب کی لہر کو روکنے کی کوشش کی ہے اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم وہ اس معاملے میں قوم کے شکریے کے مستحق ہیں۔ اب توہین دین کے مسئلے کی طرف واپس آئیں اگر کوئی پاگل پن کی حالت میں ایسا کرے تو اس کے خلاف کارروائی سے اسلام کو اور توہین دین کے تصور کو نقصان پہنچتا ہے کیا ہم بچپن سے مکہ کی اس عورت کا قصہ نہیں سنتے آئے کہ جب آنحضرت اس کے گھر کے سامنے سے

گزرتے تھے تو وہ کوڑا کرکٹ پھینک دیتی تھی؟ آنحضرت نے اس عورت کو کبھی برا بھلا نہیں کہا اپنا راستہ بدلے بغیر آنحضرت خاموشی سے اسی گلی سے گزرتے رہے اور سب کچھ برداشت کرتے رہے اپنے صبر وتحمل کی وجہ سے ایک روز وہ حیرت زدہ رہ گئے جب اس عورت نے آپ سے معافی کی درخواست کی اور اسلام قبول کر لیا۔ توہین دین کی زد میں بڑی چیزیں بھی آتی ہیں ایک ایسی مملکت جو اسلام کے نام پر قائم کی گئی تھی مگر وہاں لوگوں کو ان کے حقوق نہیں دیے جا رہے اصل توہین دین یہ ہے بھوک اور محرومی توہین دین ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جسے عظیم خلیفہ عمر بن خطابؓ نے سمجھا اور کہا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا رہ جائے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انہیں ذمہ دار قرار دے گا۔ سب سے بڑی توہین دین یہ ہے کہ ایک بچہ بھوکا رہ جائے ایک بچہ جو بھوک کی وجہ سے آہستہ آہستہ موت کی طرف جا رہا ہو انصاف کرنے میں بدعنوانی توہین دین ہے حکومت کی بدانتظامی توہین دین ہے غریب اور امیر کے درمیان غیر مناسب فرق توہین دین ہے بیمار کو علاج معالجے کی سہولت نہ ملنا اور بچے کو تعلیم کی سہولت نہ ملنا بھی توہین دین کی مثالیں ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا تھا کہ صفائی نصف ایمان ہے، اگر وہ آج ہوتے تو اسلامی جمہوریہ میں گندگی کے ڈھیر دیکھتے تو کیا کہتے؟ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے سے پاکستانی عوام کو عملی طور پر کیا فائدہ ہوا ہے؟ کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کا عقیدہ درست ہے، لیکن کیا یہ مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے؟ اگر برائے استدلال ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ قادیانیوں کا الحاد ایک کینسر کی صورت میں تھا جسے ختم ہونا چاہیے تھا، تو ایسا ہو جانے سے کتنا زیادہ صحت مند اور خوشحال ملک بنا ہے؟ اپنے عقیدے سے قادیانیوں کو نکال دینے سے کیا ہم بہتر مسلمان بن گئے ہیں؟ امریکہ میں عیسائیوں کے کتنے عجیب وغریب فرقے آباد ہیں، جن میں سے کچھ زندگی اور قیامت کے متعلق مختلف نظریات رکھتے ہیں، ان کے وجود کو برداشت کیا جا رہا ہے۔ چاہے مسکرا کر یا کندھے اچکا کر، لیکن کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ ان کو غیر عیسائی قرار دینے کے لیے امریکی آئین میں ترمیم کی جائے۔ یہ دلیل کہ ہم ایک اسلامی ملک سے تعلق رکھتے ہیں جہاں نظام مختلف ہونا چاہیے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ غیر منطقی رویوں میں ملوث ہونے کے متعلق یہ کوئی جواز نہیں کہ ہم اپنے آپ کو ایک اسلامی جمہوریہ کہہ سکیں۔ جنرل ضیا ایک قدم آگے بڑھ گئے، جب 1979ء (یہ آرڈیننس 1984 میں جاری ہوا تھا "بشیر") میں اپنے اتحادیوں کو خوش کرنے کے لیے انہوں نے ایک آرڈیننس جاری کیا، جس کے تحت یہ جرم قرار دیا گیا کہ قادیانی یا احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہیں اور اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کا نام دیں۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ اگر ایک یہودی اپنے آپ کو مسلمان کہنا چاہتا ہو اور اپنی عبادت گاہ کو مسجد، تو یہ بات عجیب سی ضرور ہوگی مگر اس پر فوجداری قانون کا اطلاق کس طرح ہو سکتا ہے؟ اگر کسی احمدی کی عبادت گاہ کو مسجد کہا جاتا ہے تو کوئی بھی اپنی مرضی کے خلاف اس مسجد کی دہلیز بھی پار نہیں کرے گا۔ پاکستان کے ہر شہر میں مختلف مسجدیں ہیں دیوبندی، بریلوی، شیعہ وغیرہ، لیکن ہم اسی مسجد میں جاتے ہیں، جہاں ہم چاہتے ہیں۔ جب ہم نے جداگانہ انتخاب کا طریقہ اپنایا تھا اور اقلیتی ووٹروں کی الگ فہرستیں بنائی تھیں تو کیا ہم زیادہ پاکباز مسلمان بن گئے تھے؟ کیا اس کے نتیجے میں ہم نے بہتر نمائندے منتخب کیے تھے؟ امتیازی قوانین نے پاکستان کو ایک بہتر مملکت نہیں بنایا (اسلامی تعلیمات کو اپنانا تو دور کی بات ہے) اس سے بدنامی ہی ہوئی ہے۔ پھر بھی ہمیں حقیقت پسند بننا چاہیے۔ احمدی مخالف آئینی ترمیم کو کوئی حکومت نہیں چھیڑے گی۔ ایسی چیزیں جو ایک بار بن جاتی ہیں انہیں پھر آسانی سے ختم نہیں کیا جا سکتا، لیکن 1979ء کا آرڈیننس جس کے تحت کسی احمدی کو اپنے آپ کو مسلمان کہنا جرم قرار دیا گیا تھا، ضرورت ہے کہ ہم اسے اپنی قانون کی کتابوں سے مٹا دیں۔ کچھ احتجاج ہوں گے مگر یہ صرف توقع ہے۔ یہ اچھا اقدام ہمیں احمدیوں کے لیے نہیں بلکہ خود اپنی خاطر کرنا چاہیے۔ ایسے قوانین بنانے والوں کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے۔ جنرل ضیا نے 1979ء میں چار حدود قوانین منظور کیے تھے مگر ان سے بھی کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ان قوانین نے ملک میں شر پسندی ہی پھیلائی ہے اور رشوت کے ریٹ بڑھائے ہیں۔ یہ مناسب وقت ہے کہ اس قسم کے برے قوانین کو ختم کیا جائے۔

(کالم کا اگلا حصہ اس موضوع متعلق نہ تھا اس لیے حذف کر دیا گیا ہے۔ بشیر)



(کالم نمبر 2)

گلاب کھلنے کا موسم

(روزنامہ خبریں راولپنڈی 28 اگست 2004)

مہمان کالم......ایاز امیر۔۔۔(بشکریہ ڈان: ترجمہ ریحان قیوم)

آسٹریا کے مدبر سیاستدان میٹرنخ (1773ء۔ 1859) جو

1809ء سے 1848 تک اپنے ملک کے وزیر خارجہ رہے، کی رائے یہ تھی کہ ایک قابل قبول اسلوب تحریر کا حصول اس طرح ممکن ہے کہ ایک مسودہ تیار کریں اور پھر محتاط طریقے سے اس میں سے تمام اسم ہائے صفت نکال دیں۔ آپ بھی کوشش کریں، یہ کوئی خراب اور ناقص مشورہ نہیں ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ تمام اسم ہائے صفت پر پابندی لگا دینی چاہیے۔ اگر آپ ایلیاء (ہومر کی Iliad) سے تمام اسم ہائے صفت نکال دیں، جس میں یہ بے شمار ہیں، تو فن کا ایک شہ پارہ تو ل ہی جائے گا۔ لیکن یہ وہ نہیں ہوگا جو اس وقت موجود ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میزنخ کا مطلب یہ نہیں تھا۔ غالباً ان کا مطلب یہ تھا کہ مہمل اور بے فائدہ باتیں حذف کر دیں، غیر ضروری سامان اور بوجھ سے نجات حاصل کریں، اور آپ کو صاف ستھرا جہاز رواں دواں ملے گا۔ اگر کسی تحریر کے متعلق یہ درست ہے، تو یہ حکومت اور ریاست کاری کے متعلق بھی درست ہے، بالکل اسی طرح، جس طرح یہ باغبانی کے لیے بھی درست ہے۔ جھاڑ جھنکار کو نکال باہر پھینکیں، لمبی اور بے تکی گھاس کی کاٹ چھانٹ کریں، تو بعض اوقات اس طرح ایک جنگل ایک خوبصورت باغ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پاکستان کا مسئلہ بھی یہی ہے۔ اسے کسی قسم کے انقلاب کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ کام سخت طریقے سے کی گئی تراش خراش اور کاٹ چھانٹ سے بھی ہو سکتا ہے۔ ذرا آئین پر غور کریں اور ان تمام فضول اور بے کار قسم کی ترامیم پر بھی، جو اس میں بھری پڑی ہیں۔ ہمارا قومی نعرہ ہونا چاہیے "ان تمام ترامیم کو ختم کرو۔" 1973ء میں جو آئین متفقہ طور پر منظور کیا گیا تھا، اس میں کافی زیادہ اسلامی قانونی شقیں بھی شامل تھیں۔ ان میں کسی اضافے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنانے کی کیا ضرورت تھی، جیسا کہ جنرل ضیا نے ایک حکم کے تحت کیا تھا؟ یہ کوئی معمولی بوالعجبی نہیں کہ ایک فوجی ڈکٹیٹر آئین کو کچل ڈالے اور یہ عذر پیش کرے کہ آئین کو بہتر بنایا گیا ہے۔ پاکستان اصولوں اور مقاصد پر چند ایک بیانات کے ساتھ بھی اپنا کام چلا سکتا ہے۔ ہمیں اپنے اصولوں کا علم ہے۔ ہمیں صرف یہ معلوم نہیں کہ ان پر عملدرآمد کس طرح کیا جائے۔ بلوچستان بے اطمینانی اور بے چینی سے اندر ہی اندر کھول رہا ہے۔ یاد رہے کہ اس کی بدقسمت تاریخ میں ایسا پہلی بار نہیں ہو رہا کہ وہاں ایک بار پھر صوبائی خود مختاری مرکزی نکتہ بن گئی ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے ہمیں کسی نئے آئین کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صرف یہ ضرورت ہے کہ اصل آئین کی شقوں کی پابندی کریں اور ان پر عمل کریں۔ تمام صوبوں کو آئین میں دیئے گئے حقوق ملنے چاہئیں۔ انہیں اختیار دیں کہ وہ اپنے معاملات خود چلائیں اور خدا کے لیے اسلام آباد کے اس اضطراب پر کنٹرول کریں کہ وہ ہر صوبائی معاملے میں دخل اندازی نہ کرے۔ اگر بھارت، جو ہماری نسبت ایک بہت وسیع ملک ہے اور جہاں مختلف قسم کے اختلافات اور پیچیدگیاں ہیں، اتحاد کے فن میں مہارت حاصل کر سکتا ہے اور کنی کترا کے ہم سے آگے نکل سکتا ہے تو ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے، جبکہ ہم ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہیں؟ اسلام آباد کو سخت قسم کی کاٹ چھانٹ کی ضرورت ہے۔ وفاقی حکومت کا حجم بہت بڑھ گیا ہے اور ایسے معاملات میں دخل دے رہی ہے، جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وزارتوں اور خود مختار محکموں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ ذاتی طور پر میں اس قابل نہیں کہ کہہ سکوں کہ آیا صحت، تعلیم اور زراعت کو وفاقی وزارتوں کی ضرورت ہے، یا نہیں، جبکہ یہ سب صوبائی معاملات ہیں۔ لیکن یہ ایک مسئلہ ہے، جس کا جائزہ لینا چاہیے بشرطیکہ ہم وفاقی حکومت کا حجم مناسب رکھنا چاہتے ہوں۔ ہمیں ایک قومی نصاب کی ضرورت ہے، تاکہ پہاڑی علاقوں سے ساحلی علاقوں تک ملک کے ہر سکول میں ایک جیسی نصابی کتابیں پڑھائی جائیں۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں ضرورت ہے کہ بے شمار قسم کے تعلیمی نظاموں سے نجات حاصل کریں۔ اگر امیروں کے لیے کوئی الگ نظام تعلیم ہو اور غریبوں کے لیے الگ اور اس پر مستزاد یہ کہ مذہبی رجحان رکھنے والوں کے لیے الگ، تو پھر قومی صلاحیتوں کو یکجا نہیں کیا جا سکتا۔ بیشتر پاکستانیوں کو معلوم نہیں ہوگا کہ بھارت نے اولیول اور اے لیول نظام تعلیم جس کا امتحان برطانیہ کی یونیورسٹیاں لیتی تھیں، 1964ء میں ختم کر دیا تھا۔ اب ہر بھارتی طالب علم ایک ہی قسم کے امتحان میں بیٹھتا ہے۔ وہاں ایک ہی نصاب ہے اور مطالعہ کے لیے ایک ہی قسم کی کتابیں ہیں۔ اب کتابوں کی اس کھچڑی اور ملغوبے پر نظر دوڑائیں، جو ہمارے ہاں موجود ہے۔ مناسب یہی ہے کہ ہم اولیول اور اے لیول کو ختم کریں، جن کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ذرا سوچیں، ہمارے اولیول سکولوں نے کتنے ڈاکٹر عبدالسلام پیدا کیے ہیں؟ جب تمام پاکستانی طالب علم، چاہے لڑکا ہو یا لڑکی، ایک ہی قسم کی کتابیں پڑھیں گے، ایک ہی قسم کی زبان یعنی اردو، انگریزی یا دونوں کی کوئی ایک صورت، سیکھیں گے، ایک ہی قسم کی جسمانی ورزش کریں گے، ایک ہی قسم کے کپڑے پہنیں گے، تو وہ ایک دن ایسا ہوگا، جب ہم دعویٰ کر سکیں گے کہ قومی

تعمیر کے راستے پر ہم نے پہلا قدم رکھا ہے۔

(درمیان کا مضمون موضوع سے غیر متعلق تھا لہذا اسے حذف کر دیا گیا ہے۔ بشیر)

جنرل ضیا کے اسلامائزیشن قوانین کے پیچھے سیاسی مقاصد تھے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے، لیکن ایک سخت قسم کی شہادت ایک خلاف قیاس ذریعے سے آئی ہے۔ حال ہی میں ایک ٹی وی چینل کے ایک انٹرویو میں ایک سابق سینئر پولیس افسر چودھری سردار محمد نے بتایا کہ 1979ء میں جب بھٹو صاحب کو پھانسی دی جانے والی تھی، اسی زمانہ میں ضیا حکومت اپنے بین الاقوامی تنہا پن سے نجات حاصل کرنے کے لیے سعودیوں سے اثر ورسوخ بڑھانا چاہتی تھی۔ اس ضمن میں ایک کمیٹی جس کے وہ (سردار محمد) ایک رکن تھے، نے حدود قوانین منظور کرنے کی تجویز دی اور توقع یہ تھی کہ سعودی اس سے خوش ہوں گے۔ ان کے اس دعوے کی ابھی تک کسی نے تردید نہیں کی۔ سیاسی مقاصد کے لیے تیار کیے گئے یہ قوانین جنہیں مقدس احکام کا رنگ دے دیا گیا تھا، ختم کر دینے چاہییں۔ جنرل پرویز مشرف جب اقتدار میں آئے تھے، اگر اس وقت وہ ان قوانین کو ختم کر دیتے تو کسی درخت کا ایک پتہ تک نہ ہلتا۔ لیکن نائن الیون کے واقعہ کے بعد امریکہ کی "روشن خیال اعتدال پسندی" کی ویگن میں سوار ہونے کے بعد ان کی ترجیحات میں تبدیلی آ گئی اور وہ اس موقع کو ہاتھ سے گنوا بیٹھے۔ لینن سے کسی نے پوچھا کمیونزم کیا ہے؟ تو لینن نے جواب دیا "سوویت پاور اور پورے ملک کو برقانے کا عمل"۔ "اسلام کیا ہے؟ اس کی تمام روح اسلام کے عظیم خلیفہ حضرت عمرؓ کے اس قول میں مجتمع کر دی گئی ہے: "اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی پیاسا اور بھوکا ہو، تو قیامت والے دن عمر کو جواب دینا پڑے گا"۔ "توقع نہ رکھیں کہ ہمارے باغ میں گلاب کے پھول کھلیں گے، تا آنکہ ہم اس قول کو اپنا رہنما اصول نہ بنا لیں۔



(کالم نمبر 3)

روشن منزلوں کا حصول

(روزنامہ جنگ، راولپنڈی ۱۲، جون۔ روزنامہ جناح راولپنڈی ۱۱ جون ۲۰۱۰ء)

------ایاز امیر

جوش ملیح آبادی ایک شعر میں لکھتے ہیں "دانش کی مٹھاس شہد سے کہیں زیادہ میٹھی ہے، جاہل کے بیان کیے گئے سچ سے کہیں بہتر ایک عالم کی رائے ہے چاہے اس میں شبہ کا پہلو پایا جائے۔ پاکستان کو استدلال و حکمت کا گڑھ ہونا چاہیے تھا، ایسا پاکستان کے سٹریٹجک محل وقوع کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کا مختلف تہذیبوں کے سنگم پر واقع ہونا ہے مگر فکر و دانش کی بجائے پاکستان عدم رواداری اور غیر منطقی فکر کا مرکز بن گیا۔ اسے برطانوی حکمرانوں کی کرم نوازی کہیے کہ ایشیا کے دیگر ممالک کے برعکس جمہوریت یہاں بہت پہلے پہنچ گئی۔ 1947ء تک دنیا کے واحد مسلم جمہوری ملک ترکی میں بھی مکمل جمہوریت نہیں تھی جبکہ باقی اسلامی ممالک کو ابھی نوآبادیاتی دور سے نجات حاصل کرنا تھی۔ ہم دیگر مسلم ملکوں کے لیے ماڈل بن سکتے تھے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ ہم نے منطق واستدلال کا راستہ چھوڑ دیا یا پھر ہمارے اس دور کے رہنماؤں میں یہ صلاحیت ہی نہ تھی کہ وہ وسعت نظری کا مظاہرہ کر سکتے۔ ہم ستاروں پر کمند ڈال سکتے تھے مگر ہم نے امریکن سٹلائیٹ بننے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس سے واحد تبدیلی ہم میں یہ آئی کہ امریکہ پر انحصار کرنے کی اپنی عادت سے ہم چھٹکارا نہ پا سکے اور خود مختاری ہمیشہ کے لیے اس کے قدموں میں ڈال دی۔ قیام پاکستان کے وقت 2 مختلف نظریات میں مسابقت چل رہی تھی، ایک قائداعظم کا سیکولرازم، دوسرے وہ اسلامی نعرے جنہوں نے تحریک پاکستان میں تیزی پیدا کی، سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے قائداعظم کے پاس ان نعروں پر انحصار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ آزاد ملک حاصل کرنے کے بعد اگرچہ ان نعروں کی ضرورت ختم ہو گئی، تب ضرورت اس امر کی تھی کہ جدید جمہوری ری پبلک کی تشکیل پر توجہ مرکوز کی جائے۔ مگر ہم نے اس کے برعکس کیا۔ ہر پالیسی کی ناکامی کے بعد مذہبی نعرہ بازی کو ہوا دی گئی۔ جب نئے آئین کی تشکیل پر تمام توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت تھی، ہم نے تمام تر توانائیاں قرارداد مقاصد نامی دستاویز پر صرف کر دیں۔ ہم نے ہمیشہ مستقبل کا صیغہ استعمال کیا، آج بھی کر رہے ہیں، قرار داد مقاصد کے اعلیٰ مقاصد کا برملا اظہار کرتے ہیں مگر حصول کے لیے کچھ نہیں کر رہے۔ تحریک پاکستان کی مخالفت اور قائداعظم پر کڑی تنقید کرنے والے علماء کرام نے 47ء کے بعد ایک فقید المثال یوٹرن لیا۔ وہ اچانک ہی نظریہ پاکستان کے نگران بن گئے۔ وہ جنہیں بدفطرت قرار دینے کی ضرورت تھی، وہ پاکستان نام کے اس مندر کے سب سے بڑے پیشوا بن گئے، یہ رتبہ حاصل کرنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ تحریک پاکستان کے سیکولر رہنما جنہیں قائداعظم کے ورثے کی دعوے

داری کرتے ہوئے جرات کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا، مذہب کی اس آندھی میں خس وخاشاک کی طرح اڑ گئے۔ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ نظریہ پاکستان کی اصطلاح کو جنرل یحییٰ خان کے دور میں سند قبولیت ملی حالانکہ عملی زندگی میں ان کا دین ومذہب سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ قوم کو متحد رکھنے میں ناکامی کے باوجود ہمارا معاشرہ مجموعی طور پر کھلے ذہن کا مالک تھا، تنگ نظری اور مذہبی عدم رواداری کا تصور کرنا بھی محال تھا جو آج ہمارے ہاں ایک معمول ہے۔ جنرل ضیا کے نام نہاد اسلامائزیشن کے نتیجے میں مذہبی رواداری کے تمام دروازے آہستہ آہستہ بند ہوتے چلے گئے۔ پاکستان نام کے اس باغ کے تمام پھول مرجھا گئے، پتے جھڑ گئے، ویرانی ہر سو چھا گئی۔ جنرل ضیا نے جہاد کے جو بیج بوئے، وقت کے ساتھ تناور درخت بن گئے جنہیں کاٹنا مشکل ہو گیا جبکہ ان سے پیدا ہونے والا شر پسندی کا زہر آج کسی کے لیے حیران کن نہیں۔ افغانستان میں امریکہ کی لڑی جانے والی جنگ کا آغاز اسی ضیا کے دور میں ہوا۔ مشاہدہ قابل توجہ ہے کہ ضیاء راستے سے ہٹ جانے والی شخصیت نہ تھا۔ دراصل ضیاء اس عمل کی معراج تھا جو قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد پاکستان میں شروع ہوا۔ اگر ضیاء اچانک نمودار ہو کر اقتدار پر قابض نہ بھی ہوا ہوتا تب بھی قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد پاکستان کو جس راستے پر ڈال دیا گیا تھا، ضیاء جیسی کسی شخصیت کی تلاش ہماری مجبوری بن چکی ہوتی۔ قدرت نے ضیاء ہم پر مسلط کیا کہ قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد ہم اسی قابل رہ گئے تھے۔ مشرف دور کی آئینی ترامیم کا جائزہ لینے کے لیے بنائی گئی پارلیمانی کمیٹی کے پاس بہترین موقع تھا کہ دین کی خدمت کے نام پر ضیا کے نافذ کردہ قوانین کا بھی جائزہ لیتی۔ اس کے لیے جرأت واستقامت کی ضرورت تھی مگر یہ موقع گنوا دیا گیا۔ عدم رواداری کے اس جال کو کیسے کاٹا جائے؟ ہم اپنی یونیورسٹیوں سے تنگ نظری، مذہبی منافرت اور تشدد کی آلائشوں کو پاک کر کے علم وتحقیق کے مراکز میں کیسے تبدیل کریں؟ کیسے ہم اختلاف رائے کو برداشت کرنے کی روایات کو اپنے معاشرے کا حصہ بنائیں، چاہے دوسروں کی رائے ہمارے بنیادی عقائد کے ہی خلاف کیوں نہ ہو؟ عدم رواداری کے عمل کو اس سطح تک پہنچانے میں ہم نے ساٹھ سال لگائے، موجودہ صورتحال فوری طور پر تبدیل کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں کیونکہ اس کوشش کا نتیجہ سخت ردعمل کی صورت میں ہمارے سامنے آئے گا جسے مذہبی تقدس بھی حاصل ہو گا۔ اپنی کتاب "سٹرٹیجی" میں بالواسطہ لائحہ عمل کا ذکر کرتے ہوئے لیڈل ہارٹ لکھتے ہیں "یہ بات واضح طور پر دیکھنے میں آئی کہ ذہنی فکر پر اثر انداز ہونے کی براہ راست کوشش نے عموماً منفی نتائج دیئے۔" پاکستان کو عدم رواداری کے اندھیرے سے نکالنے اور قائداعظم کے سیاسی ورثے کو رائج کرنے کی اگر سنجیدہ کوشش کی جاتی ہے تو اس میں کامیابی کے لیے ہمیں کم سے کم مزاحمت کا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اس کوشش کو کامیاب بنانے کے لیے سیکولر کی اصطلاح کے استعمال سے گریز ضروری ہے کیونکہ ہمارے خودساختہ فرشتوں کی فوج سب سے زیادہ اس لفظ پر چراغ پا ہوتی ہے، سب سے بڑھ کر اس کے لفظی مطلب سے ہماری اکثریت ناآشنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے پارلیمانی کمیٹی کے بجائے اعلیٰ تعلیم یافتہ علماء اور مشائخ پر مشتمل کمیٹی بنائی جائے جو اپنی سفارشات مرتب کرے۔ ان سفارشات کی حتمی منظوری تک آئین سمیت پاکستان کے تمام قوانین کو ضیاء بغاوت سے پہلے کی صورت میں بحال کر دیا جائے۔ اس قسم کی تبدیلی سے کئی غیر ضروری قوانین جن میں حدود آرڈیننس، توہین رسالت کے قوانین اور آئین کے آرٹیکلز 62، 63 وغیرہ شامل ہیں، از خود ختم ہو جائیں گے۔ لوگ آزاد فضا میں سانس لیتا اور اس بند معاشرے کے دروازے از خود کھلنا شروع ہو جائیں گے۔ مدارس میں تعلیمی اصطلاحات کا زور وشور سے ذکر کیا جاتا ہے، آج کے جو حالات ہیں ان پر بات کرنا آسان جبکہ عملدرآمد مشکل ہے۔ اس کے لیے ہمیں بڑی سطحی تبدیلی لاتے ہوئے سہ رخی تعلیمی نظام بدلنا ہے، اردو میڈیم، انگلش میڈیم اور مدارس کے نصاب کا مکمل خاتمہ کر کے ایک ہی نصاب تعلیم رائج کرنا ہے تاکہ ہر امیر وغریب، محروم اور مراعات یافتہ خاندانوں کے بچوں کا نصاب اور ذریعہ تعلیم ایک ہی ہو۔ تعلیم ہر خاص وعام کے لیے لازمی ہو اور اس کے اخراجات ریاست برداشت کرے۔ بہتر ہو گا کہ تعلیم کے بجٹ کے لیے زیادہ سے زیادہ وسائل مختص کیے جائیں۔ پاکستان ان ملکوں میں شامل ہے جہاں 18 سال سے کم عمر آبادی کی شرح زیادہ ہے۔ اس ملک کے لاکھوں بچے ایسے ہیں جنہیں سکول جانے کا بھی موقع نہیں ملتا۔ ہمارا شمار کیسے ترقی یافتہ ملکوں میں ہو سکتا ہے جبکہ ہم اپنی افرادی قوت کو اس کے لیے تیار کرنے میں ہی ناکام ہیں، اس حقیقت کے باوجود کہ قرآن میں حصول علم پر سختی سے زور دیا گیا ہے۔ چین نے غیر معمولی ترقی کی منزلیں ایک دن میں طے نہیں کیں۔ انقلاب چین کی

ترجیحات میں ناخواندگی کا خاتمہ اور تعلیم کا فروغ سرفہرست تھا۔ چین کے یہی اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد آج ملکی معیشت کی ڈرائیونگ سیٹ پر ہیں اور انہی کی کوششوں سے چین ایک سپر پاور بنا۔ بھارت نے بھی تعلیم کے شعبے میں بھاری سرمایہ کاری کی اور آج اس کے ثمرات سمیٹ رہا ہے۔ ہم نے ہمیشہ مشکل فیصلے کرنے سے گریز کیا جس کا خمیازہ ہم بھگت بھی رہے ہیں۔ مذہبی انتہا پسندی کے خلاف جنگ اس چیلنج کا صرف ایک پہلو ہے، درحقیقت خود پر مسلط کردہ چند خود ساختہ روایات سے ہی نجات حاصل نہیں کرنی بلکہ اس سوچ کا بھی خاتمہ کرنا ہے جو انتہا پسندی کی اصل روح ہے۔

﴿☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆﴾

(کالم نمبر 4)

نظریہ پاکستان

(روزنامہ جنگ لاہور 11 ستمبر 2010)

ایاز امیر۔۔۔۔۔۔(بحوالہ ماہنامہ ثقاہت لاہور اکتوبر ۲۰۱۰ء)

گزشتہ کئی سالوں سے نظریہ پاکستان نامی مکتبہ فکر کے دعوے سن کر جی چاہتا ہے کہ اپنا پستول اپنی کنپٹی کے قریب لے جاؤں اس مکتبہ فکر کے دانشور جب نظریہ پاکستان کی وضاحت کے دوران خصوصاً جب پاکستان کو اسلام کا قلعہ قرار دیتے ہیں تب کئی تاریک خیالات میرے ذہن پر طاری ہو جاتے ہیں۔ ان دنوں میں کاکول میں تھا جب جنرل یحییٰ خان کے وزیر اطلاعات میجر جنرل (ر) نوابزادہ شیر علی خان نے نظریہ پاکستان کی اصطلاح مرتب کی۔ حکومت کے زیر کنٹرول پریس اور ٹی وی اس اصطلاح کو عام کرنے کیلئے یک جان ہو گئے۔ بعد ازاں انتہائی مختصر عرصے کے بعد جب جنرل ٹائیگر نیازی نے ڈھاکہ کی ریس کورس گراؤنڈ میں اپنا پستول جنرل جگجیت سنگھ اروڑا کے حوالے کر کے ملک کو دولخت کیا تب میرا ذہن نظریہ پاکستان کے درمیان بری طرح سے الجھ کر رہ گیا۔ نظریہ پاکستان ایک فریب سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ بظاہر یہ عوامی لیگ کے ۶ نکاتی ایجنڈے کا جواب تھا مگر درحقیقت مغربی پاکستان کی سیاسی اشرافیہ بشمول جاگیردار، جنرل اور بیورو کریسی کی اس سوچ کا آئینہ دار تھا جس کا اظہار 47 کے فوراً بعد ہی انہوں نے کر دیا تھا۔ یعنی مضبوط مرکز اور بے اختیار صوبائی حکومتیں۔ بھارت کی حمایت سے آزادی کی جنگ لڑنے والے بنگالیوں نے اس نظریے کو قبول نہ کیا۔ اس شکست سے سبق سیکھنے کی بجائے ہم نے بلوچ عوام پر چڑھائی کر دی۔ یہاں تک کہ بلوچ پاکستان کی اصطلاح سے ہی بیزار ہونے لگے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نے تلخ تجربات سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ درحقیقت بلوچستان کے حالات کو ہم زیادہ اہمیت دینے کیلئے تیار نہیں۔ ہمیں اس قدر احساس ضرور ہے کہ بلوچستان کی صورت حال خوشکن نہیں مگر دور دراز کے اس خطے میں بیزاری کی حقیقی وجوہات کا ہمیں قطعی ادراک نہیں۔

﴿☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆﴾

ایاز امیر صاحب کے چاروں کالم آپ ملاحظہ فرما چکے، انہوں نے ان کالموں کے اندر قوم کو کیا فلسفہ دیا ہے؟ اپنی کن پریشانیوں کا اظہار کیا ہے؟ ان کے فکر و فلسفہ کے اندر کہاں کہاں تضاد پایا گیا ہے؟ کہاں کہاں ان کی فکری صبیت جھلکتی ہے؟ اور ان سب کے پیچھے ان کے عزائم و مقاصد کیا ہیں؟ ان سب چیزوں کا سرسری جائزہ لینا ہم ضروری خیال کرتے ہیں۔ ہم نے اسے چار فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) ایاز امیر کا فلسفہ......دینی جہالت......یا......اشتراکی تعصب؟

(۲) ایاز امیر کا طرز فکر......آمریت کی مخالفت آمریت کی گود میں!

(۳) ایاز امیر کی پریشانی......قرار دو مقاصد اور اسلامی قانون سازی!

(۴) ایاز امیر کے عزائم......اسلامی قوانین کا خاتمہ......سیکولرازم کا نفاذ!

(فصل اول)

ایاز امیر کا فلسفہ......دینی جہالت......یا......اشتراکی تعصب؟

☆......................☆

ملک کے تاریک کونے کون سے ہیں؟

ایاز امیر صاحب نے بڑی دیدہ دلیری اور جرأت و جسارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان مقامات کو ملک کے "تاریک کونے" قرار دیا ہے، جہاں توہین دین کرنے والے مجرموں کے خلاف رپورٹ درج ہوتی ہے، جہاں ان کے خلاف تفتیش ہوتی ہے اور جہاں ان کو سزا سنائی جاتی ہے، معلوم نہیں یہ ان کی ترجیحات ہیں یا بدقسمتی سے ان کی کمزور نظر ملک کے ان تاریک کونوں تک پہنچ نہیں پائی...... جہاں قتل و غارت کے ذریعہ انسانیت کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے؟...... جہاں خود غرض سیاستدانوں، مفاد پرست بیورو

کرپٹس اور لٹیرے جرنیلوں نے کرپشن کا ایسا ''جمعہ بازار'' گرم کر رکھا ہے کہ ملک اس کی وجہ سے سیاسی واقتصادی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے؟ جہاں ٹیکس چوروں اور کمیشن خوروں کی مکمل حکمرانی ہے؟...... جہاں ملکی دولت باپ، دادا کی جاگیر سمجھ کر اندھا دھند لوٹی جارہی ہے؟...... جہاں قومی سرمایہ بیرون ممالک منتقل کر کے ملکی معیشت کی بنیادیں کھوکھلی کردی گئی ہیں؟...... جہاں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے ریاست کے اندر اپنی بیسیوں ریاستیں الگ قائم کر رکھی ہیں؟...... جہاں مزارع اور ہاری عہد غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں؟...... جہاں مزدور ومحنت کش کی زندگی جانوروں سے بدتر بنادی گئی ہے؟...... جہاں جاگیرداروں کے سینکڑوں نجی عقوبت خانوں میں ہزاروں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان کولہو کے بیل کی طرح حیوانی اور پر مشقت زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، اور آزاد وطن کے اندر اپنے لیے آزادی کا سورج طلوع ہونے کے منتظر ہیں؟...... جہاں سینکڑوں سرکاری ''ٹارچر سیلز'' ان گنت لوگوں پر جبر وتشدد کے پہاڑ توڑ رہے ہیں؟...... جہاں ملک کی دو تہائی سے زائد آبادی تعلیم، روزگار، علاج، انصاف جیسے زندگی کے بنیادی حقوق سے محروم ہے؟...... جہاں سیاست کی چھتری، اور سرکاری سائبان کے زیر سایہ ''قبضہ گروپ'' دندناتے پھر رہے ہیں؟...... جہاں عدالتی مفرور اور پولیس کے اشتہاری، سیاستدانوں کی سیکورٹی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں؟...... جہاں اغوا برائے تاوان جیسے گھناؤنے جرائم منہ زور گھوڑے اور بدمست ہاتھی کی طرح بڑھتے ہی چلے جارہے ہیں؟...... جہاں ہیروئین فروشی پولیس کی نگرانی میں ہورہی ہے؟...... جہاں نوجوان نسل کو نشہ کا عادی اور کمسن بچوں کو ''پاکٹ مار'' بنانے والے ہزاروں پیشہ ور گینگ علاقے تقسیم کر کے سرگرم عمل ہیں؟...... جہاں جبری آبروریزی کی وارداتیں وڈیروں کا پیشہ بن کر رہ گئی ہیں؟...... جہاں چوری، ڈکیتی، راہزنی کے واقعات نے عوام کا جینا محال کر رکھا ہے؟...... جہاں ناجائز ٹیکس، غیر قانونی کمیشن، منتھلی، بھتہ اور رشوت اپنا منصبی حق سمجھ کر وصول کی جارہی ہے؟...... جہاں جسم کی نیلامی اور عصمت فروشی کے ہزاروں اڈے اور قحبہ خانے قائم ہیں؟ (ایک میڈیا رپورٹ کے مطابق صرف لاہور شہر کے اندر عصمت فروشی کے لائسنس یافتہ قانونی اڈوں کی تعداد ۴۴۵ ہے)...... جہاں فلمی سائن بورڈ اور پوسٹروں کے ذریعہ بے حیائی وفحاشی سڑکوں، بازاروں اور چوکوں میں بھنگڑے ڈال رہی ہے؟...... جہاں سرمایہ دار کی ذہنی عیاشی اور جاگیردار کی جنسی بدمعاشی کے لیے حوا زادی وقوم کی بیٹی کو بازار حسن کی زینت بنادیا گیا ہے؟...... جہاں حقوق نسواں کی آڑ میں ''ناموس نسواں'' کو بے دردی سے پامال کیا جارہا ہے؟...... جہاں زنا بالرضا کو قانونی تحفظ دے کر ''ماڈرن سوسائٹی'' کے امیر زادوں اور امیر زادیوں کے غیر قانونی وغیر شرعی جنسی جرائم کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے؟...... جہاں تفریح وثقافت کے نام پر برہنگی وعریانی کو سرکاری سرپرستی میں فروغ دیا جارہا ہے؟...... جہاں محض کاروباری مفاد کے تحت عورت کے مقدس وجود کو تجارتی اشتہار بنادیا گیا ہے؟...... جہاں مشرق کی باحیا تہذیب کو مغرب کے آوارہ بدچلن کلچر کے سانچہ میں ڈھالنے کی مذموم ومکروہ سازشیں ہورہی ہیں؟...... جہاں انصاف برسرعام نیلام ہوتا ہے اور حقوق طاقت کے ذریعہ بلڈوز ہوتے ہیں؟

ایاز امیر اپنی آئینی ذمہ داری پہچانیں!

کیا ایاز امیر صاحب ملک کے اندر مذکورہ جرائم کی موجودگی سے انکار کر سکتے ہیں؟...... کیا وہ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ تمام جرائم جنرل محمد ضیاء شہیدؒ کے نافذ کردہ اسلامی قوانین کے پیدا کیے ہوئے ہیں؟...... اگر وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتے تو انہیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ ان جملہ جرائم نے اس اندھی، بہری، گونگی لاقانونیت سے جنم لیا ہے جو ۶۳ سال سے جاگیرداروں، سرمایہ داروں، اقتدار پرستوں، دولت کے پجاریوں اور ڈکٹیٹر جرنیلوں کے ہاتھوں اس ملک کے بے بس عوام کا خون چوس رہی ہے۔...... کیا ایاز امیر صاحب نے مذکورہ جرائم کے خلاف بھی اتنی سنجیدگی کے ساتھ قلمی جنگ لڑی، جتنے سیریس انداز میں وہ اسلامی قوانین کے خلاف لڑائی لڑتے نظر آرہے ہیں؟...... کیا وہ ایک برسراقتدار پارٹی کے رکن قومی اسمبلی ہونے کی بناء پر اپنے عہد حکومت کے جرائم کے ذمہ دار نہیں

ہیں؟...... کیا تخت لاہور پر جلوہ گران کی پارٹی اپنے صوبائی حدود اختیار کے دائرہ میں رہتے ہوئے جرائم ولاقانونیت کا خاتمہ کر چکی ہے؟...... کیا اب پنجاب کے اندر لوگوں کے جان، مال، آبرو محفوظ ہو چکے ہیں؟ اور لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق کی فراہمی ہو چکی ہے؟...... اگر ایسا نہیں ہوسکا اور لاقانونیت وجرائم اب بھی بدستور موجود ہیں اور حقوق کی "ڈلوری" ابھی تک یقینی نہیں بنائی جاسکی تو پھر کیا یہ ان کی اخلاقی وجمہوری ذمہ داری نہیں کہ...... وہ اسلامی قوانین واسلامی قانون سازی کی مخالفت اور قادیانیت ودیگر اسلام دشمن قوتوں کے دفاع پر اپنی انرجی ضائع کرنے کی بجائے ان جرائم اور اس لاقانونیت کے خلاف پالیمانی جدوجہد کریں؟...... ان کے لیے مناسب یہی کہ ہے وہ ایک جرنلسٹ کی حیثیت سے اپنے ہوائی وخیالی خطرات وخدشات کے خلاف قلم آزمائی کرنے کی بجائے ایک رکن قومی اسمبلی، ایک سیاسی لیڈر، ایک حکومتی پارٹی کے ممبر بن کر سوسائٹی کے اندر موجود جرائم ولاقانونیت کے خلاف عملی اقدام کریں، کیونکہ قوم نے انہیں قانون کے خلاف کالم نویسی کرنے کے لیے نہیں بلکہ لاقانونیت کے خلاف اپنی پارلیمانی ذمہ داریوں کے حوالہ سے عملی اقدام کرنے کے لیے ووٹ دیئے ہیں۔

ملک کا امیج کس نے خراب کیا؟

ایاز امیر صاحب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ توہین دین کرنے والے مجرم کو سزا دینے سے "ملکی امیج" خراب ہوتا ہے۔ ہمارے لیے ان کا یہ فلسفہ سراسر ناقابل فہم ہے، کیونکہ...... ملک کے اندر توہین دین کرنا جرم ہو...... مجرم کے لیے قانونی طور پر سزا متعین ہو...... انکوائری رپورٹ مجرم کے جرم کی تصدیق کرتی ہو...... اور عدالت کے اندر وہ جرم قانونی شہادتوں کے ذریعہ ثابت بھی ہو جائے...... تو پھر مجرم کو سزا دینے سے ملک کے امیج کو دھچکا کیوں لگتا ہے؟ اور کیسے لگتا ہے؟...... کہیں ایاز امیر صاحب میڈیا سے وابستگی کا ناجائز سہارا لیکر دوطرفہ دباؤ بڑھانے کی سازش وکوشش تو نہیں کررہے؟...... ایک طرف وہ پارلیمنٹ کو یہ باور کرانا چاہ رہے ہوں کہ پارلیمنٹ اسلامی قانون سازی سے باز رہے ورنہ ملک کا امیج خراب ہو جائے گا؟...... اور دوسری طرف وہ عدالتوں کو "انڈر پریشر" رکھ کر انہیں اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے ہوں کہ اسلامی قوانین سے متعلق پارلیمنٹ کے فیصلوں پر عمل نہ کریں ورنہ ملکی امیج کا حشر نشر ہو جائے گا؟...... بظاہر صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک طرف عدلیہ کو مقننہ کے خلاف بغاوت پر آئین سے سرکشی پر اور قانون شکنی پر آمادہ کر کے انہیں تصادم کا راستہ دکھا رہے ہیں؟...... اور دوسری طرف مقننہ اور عدلیہ کو مذہبی قوتوں کے خلاف محاذ آرائی کے لیے تیار کر رہے ہیں؟...... ایاز امیر صاحب کی طبع نازک پر اگر گراں نہ گزرے تو ہم ان سے بصد ادب واحترام یہ پوچھنا چاہیں گے کہ آپ کے فلسفہ وفہم میں ملکی امیج کی تباہی کا دائرہ صرف اسلامی قوانین کے تحت دی جانے والی سزاؤں تک سکڑا ہوا ہے؟ یا اسے اس دائرہ سے وسیع بھی کیا جاسکتا ہے؟

اگر ایاز امیر صاحب کے نزدیک ملکی امیج کی تباہی کا دائرہ وسیع ہونے کا امکان پایا جاتا ہے تو پھر ہم ان سے یہ بھی سوال کرنا چاہیں گے کہ...... ان کے قائد محترم میاں محمد نواز شریف، اور ان کے قومی وفکری ہیرو جنرل پرویز مشرف نے اپنے اپنے دور اقتدار میں اعلیٰ عدلیہ (سپریم کورٹ) کے ساتھ جو شرمناک، غیر جمہوری کھیل کھیلا، جس کی بازگشت نیویارک ولندن اور ماسکو وبیجنگ تک سنی گئی، کیا اس سے بھی "ملکی امیج" کو کوئی فرق پڑا یا نہیں؟...... کیا عدلیہ نے نظریہ ضرورت کے عنوان سے ہر فوجی آمر کو قانونی تحفظ دیکر متعدد بار جمہوریت پر جو شب خون مارے، ان سے بھی "ملکی امیج" خراب ہوا یا نہیں؟...... قوم، ملک اور قانون کو دھوکہ دیکر جعلی ڈگریوں کے ذریعہ تقریباً ۲۰ پرسنٹ ارکان کے قومی وصوبائی ایوانوں تک پہنچنے سے بھی "ملکی امیج" متاثر ہوا یا نہیں؟...... ان جعل ساز فراڈیوں کو سرکاری تحفظ فراہم کرنے کے اخلاق سوز عمل سے بھی "ملکی امیج" کو دھچکا لگا یا نہیں؟...... عدلیہ کی طرف سے جن ارکان اسمبلی کو جعل ساز قرار دیا گیا ان فراڈیوں کو علی الاعلان اعلیٰ عدلیہ کا منہ چڑاتے ہوئے دوبارہ ضمنی الیکشن کے ذریعہ اسمبلیوں میں لابٹھانے کا معاندانہ وسیاسی عمل بھی "ملکی امیج" کو نقصان پہنچانے کا باعث شمار ہوتا ہے یا نہیں؟...... عدلیہ کی طرف سے بعض سیاسی مجرموں (جو وزارت ومشاورت کے وفاقی عہدوں پر فائز ہیں) کو ملنے والی سزا کے فوراً بعد ایوان صدر سے ان کی سزا معاف کرنے

کا حکم نامہ جاری ہونا بھی "ملکی امیج" میں خرابی کا ذمہ دار قرار پاتا ہے یا نہیں؟......قومی وملکی اور ملی فیصلے کرانے، اپنے سالانہ بجٹ کی منظوری لینے، اپنی وفاقی کابینہ کے ارکان کی تقرری کا اجازت نامہ لینے، بجلی، گیس، پٹرول اور ڈیزل وغیرہ اشیاء کے نرخ مقرر کرنے کے لیے ہمارے حکمرانوں کا واشنگٹن ونیویارک سے ڈکٹیشن لینا بھی "ملکی امیج" خراب کرنے کے زمرہ میں شامل ہوتا ہے یا نہیں؟......امریکی دہشت گردی اور اس کے وحشیانہ جنگی جنون اور ڈرون حملوں کے زہریلے بارودی اثرات پورے ملک کے اندر پھیلا دینے سے بھی "ملکی امیج" میں کچھ کمی آئی یا نہیں؟...... اپنی مفلسی اور مالی پریشانی کا رونا رو کر اقوام متحدہ، ورلڈ بینک، وائٹ ہاؤس اور دیگر بڑی طاقتوں کی دہلیز پر سجدہ ریز ہو کر انٹرنیشنل بھکاریوں کی طرح "دے جا سخیا راہ خدا" کی صدائیں بلند کرنے سے بھی ملکی امیج کا دائرہ سکڑا ہے یا نہیں؟......معاشی بدحالی کے نام پر اقتصادی ترقی کے لیے بیرون ممالک سے قوم وملک کے لیے حاصل کی جانے والی امداد سے سیاسی لیڈروں کی کوٹھیاں اور، بیوروکریٹس افسران کے بنگلے تعمیر کرانے اور فوجی جرنیلوں کے بینک بیلنس بڑھانے سے بھی "ملکی امیج" کے لیول میں کچھ کمی آتی ہے یا نہیں؟......اراکین اسمبلی کو تنخواہوں کے علاوہ جو مراعات اور سہولتیں حاصل ہوتی ہیں، (جن سہولتوں سے ہمارے ملک کی ۹۵ فیصد سے زائد آبادی محروم ہے) ان سے بھی "ملکی امیج" کو کوئی فرق پڑتا ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ میاں محمد نواز شریف صاحب کے دوسرے دور اقتدار کے اخراجات قومی اسمبلی پر مشتمل ایک مطبوعہ اخباری رپورٹ کے مطابق صرف ایک رکن اسمبلی کی بیوی کے علاج پر ایک سال کے اندر ایک کروڑ ۶۰ لاکھ روپے خرچ آیا......لال مسجد کے اندر خفیہ انٹیلی جنس کے ذریعہ خود حالات خراب کر کے، سیاسی جماعتوں، مذہبی راہنماؤں، جرنلسٹ دانشوروں، حتیٰ کہ پارلیمانی، جمہوری حکومت کی طرف سے کی گئی مصالحتی کوششوں اور حتمی فیصلوں کے معاہدوں کو بائی پاس کرتے ہوئے صرف "ایوان صدر" کے آڈر پر علماء کرام، طلباء اور معصوم طالبات کا جس وحشیانہ انداز سے قتل کیا گیا وہ بھی "ملکی امیج" پر اثر انداز ہوا یا نہیں؟......ان گنت پاکستانی شہریوں کو ماورائے عدالت اغوا کر کے حبس بے جا میں رکھنے، ان کے اہل خانہ کو سالہا سال تک ان سے بے خبر ولاعلم رکھنے اور ان کو ان کی ملاقات سے محروم رکھنے سے بھی "ملکی امیج" کی بنیادیں کھوکھلی ہوئی ہیں یا نہیں؟ یاد رہے ایسے سینکڑوں لاپتہ افراد کے کیس اس وقت بھی سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہیں......قومی میڈیا کی تازہ رپورٹ کے مطابق دو ہزار کے قریب سیاستدانوں، فوجی جرنیلوں اور بیوروکریٹس افسروں کو سیاسی رشوت وخدمت کے طور پر ۶۰ ارب روپے کے جو قرضے معاف کیے گئے اس سے بھی "ملکی امیج" ڈاؤن ہوا یا نہیں؟ ملک کے اندر انتہائی غربت کی وجہ سے خودکشیوں اپنے بچوں کی فروخت اور جسم کے اعضاء (گردے وغیرہ) نیلام کرنے کا جو رجحان بڑھ رہا ہے اس سے بھی ملکی امیج کی ویلیو کم ہوتی ہے یا نہیں؟......ملکی تاریخ کے سب سے بڑے آمر اور خطہ کے سب سے بڑے جنگی مجرم، ہزاروں پاکستانی وافغان مسلمانوں کے قاتل جنرل پرویز مشرف کو اس کے تمام جرائم سے صرف نظر کرتے ہوئے "گارڈ آف آنر" پیش کر کے پورے پروٹوکول کے ساتھ "ایوان صدر" سے رخصت کرنا اور طبلے سرنگی جیسے سامان تعیش سمیت اسے بیرون ملک جانے کی اجازت دینا بھی "ملکی امیج" پر فرق ڈالتا ہے یا نہیں؟

شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں میری بات!

محترم! یہ تو ان ہزاروں مسائل میں سے چند مسائل پر مشتمل ایک ہلکی سی جھلک ہے جو فی الوقت قوم وملک کو درپیش ہیں، آپ نے تو چند ذہنی مفروضات اور ہوائی خیالات کی بنیاد پر ملک کے اندر موجود چند اسلامی قوانین اور مستقبل کے اندر ہونے والی ممکنہ اسلامی قانون سازی کے خلاف ایک "خیالی شیش محل" بھی تعمیر کر لیا ہے، اور اس میں بیٹھ کر سنگ باری بھی شروع کر دی ہے، حالانکہ آپ کے مفروضات واختراعات کا واقعیت کی دنیا سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ان میں حقیقت ہے نہ صداقت......لیکن اس کے برعکس ہزاروں ایسے حقیقی وواقعی مسائل ہمارے سامنے موجود ہیں جن سے صرف نظر کر لینا نہ صرف بے شعوری و کم عقلی ہے بلکہ ملک دشمنی اور قومی جرم بھی ہے۔

محترم! آپ تو اسلامی قوانین کے پیچھے اس طرح لٹھ لیے پھر رہے ہیں جیسے مذکورہ تمام جرائم ونقائص کی بنیاد یہی اسلامی قوانین ہیں! اور انہی چند

اسلامی قوانین کی وجہ سے (العیاذ باللہ تعالیٰ) یہ ساری خرابیاں پیدا ہوئی ہیں؟......اسے آپ کی سادہ لوحی قرار دیا جائے؟......آپ کی صرف نظر سے تعبیر کیا جائے؟......آپ کی حقیقت ناشناسی پر محمول کیا جائے؟...... آپ کی سیکولر جدوجہد کا حصہ قرار دیا جائے؟...... یا اسے غیر ملکی ایجنڈہ کی کاروائی سمجھا جائے؟...... ہماری ایاز امیر صاحب سے بصد ادب واحترام درخواست ہے کہ وہ اپنی توانائیاں اسلامی قانون سازی کے خلاف ضائع کرنے اور ان کے خلاف غلط فہمیاں پیدا کرنے کی بجائے خود کو اس شرمناک وغیر اخلاقی اور غیر جمہوری سسٹم سے الگ کرنے کا اپنے اندر حوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

"توہین دین"......کیا ہے؟

ایاز امیر صاحب نے اپنے کالم کے اندر "توہین دین" کی تعریف پر بھی نظر قلم فرمائی ہے۔انہوں نے اپنے مخصوص فکر کی روشنی میں "توہین دین" کا ایک ادھورا و نامکمل مفہوم بیان فرمایا ہے،ان کے انداز تحریر اور طرز فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف معاشی ومعاشرتی حوالہ سے عملی کوتاہی کو ہی "توہین دین" کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں،لیکن ان کے اشتراکی مذہب یا سیکولر مسلک کے اندر،توہین خدا،توہین رسالت، دعویٰ رسالت ، دعویٰ الوہیت، انکار ختم نبوت اور توہین قرآن حکیم وغیرہ امور ومسائل "توہین دین" کے دائرہ میں نہیں آتے، بلکہ وہ صرف...... حقوق کی عدم ادائیگی...... عدالتی بدعنوانی...... حکومتی بدانتظامی...... اقتصادی بدحالی...... معاشی حوالہ سے سماجی تفریق وتقسیم...... تعلیم کی کمی...... خوراک کی عدم فراہمی...... اور علاج سے محرومی...... وغیرہ امور میں ریاستی غفلت یا شخصی کوتاہی کو ہی "توہینِ دین" جانتے ہیں۔ بلاشک وشبہ مذکورہ تمام امور کے اندر اسلامی تعلیمات سے متعلق کسی بھی فکر وعمل سے انحراف وروگردانی کا شمار "توہین دین" میں ہوتا ہے......لیکن بنیادی طور پر توہین دین کا فوقانی درجہ ان عقائد وافکار سے انحراف ہے جس سے کفر لازم آتا ہے،اور جن کی بنیاد پر سماجی، سیاسی، معاشی، اخلاقی اور حکومتی فکر وعمل کا پورا ڈھانچہ قائم ہے، ان سے انکار وانحراف کو توہین دین سے خارج کر کے معیشت ومعاشرت اور سیاست وتجارت جیسے ذیلی مسائل کی تعبیر وتشریح کے لیے دوسرے مذاہب سے راہنمائی لینا یا دوسرے نظاموں سے راہیں تلاش کرنا بذات خود "توہین دین" ہے...... بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اصل "توہین دین" یہی ہے، جس سے...... فکری فتنے جنم لیتے ہیں...... نظریاتی گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں...... معاشی بدحالیاں ظاہر ہوتی ہیں...... معاشرتی بگاڑ پیدا ہوتا ہے...... اخلاقی جرائم جنم لیتے ہیں...... سیاسی بدعنوانیوں کو نشوونما ملتی ہے...... عدالتی ناانصافیوں کا خمیر اٹھتا ہے...... سماجی طبقات کا توازن بگڑتا ہے...... باہمی حقوق کا بیلنس خراب ہوتا ہے...... طاقت وسیاست حد اعتدال سے تجاوز کرتی ہے...... یہی احکامات شرعیہ کو پامال کرنے کا ذریعہ بنتی ہے کیوں کہ خدا تعالیٰ کی حاکیت اور پیغمبر اسلام کی اطاعت کے دائرہ سے اجتماعی طور پر نکل جانا ہی ان خرابیوں اور فسادات کی بنیاد ہے...... یہاں تک کہ انسان دین وایمان کی دہلیز عبور کر کے کفر وارتداد کے حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔

ایاز امیر صاحب کی ذہنی کیفیت!

ہم نے ایاز امیر صاحب کے کالموں سے انکی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے،ان کی تحریرات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ دینی ومذہبی معاملہ میں ذہنی طور پر ابنارمل ہیں۔ہم ان کے کالموں سے دو پیرا گراف نقل کر رہے ہیں، جن سے ان کی ذہنی کیفیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ایاز امیر صاحب فرماتے ہیں کہ

> (۱)"توہین دین ایک سنگین معاملہ ہے لیکن حقیقت میں یہ کیا ہے؟ اسکی ظاہری شکل و صورت کے بجائے لب لباب کو ترجیح دیتے ہوئے ہم نے اسے اطلاقی جرم میں تبدیل کر دیا ہے جبکہ وسیع تر سیاق وسباق کو نظر انداز کر دیا ہے جس کے تناظر میں اس کی تحقیق وتفتیش کو دیکھا جا سکتا ہے۔ معاندانہ تفتیش کے امکان سے قطع نظر ایک ایسی چیز جو ہر بار ہوتی ہے برسبیل تذکرہ اس ضمن میں ہم سب سے زیادہ قابل اعتراض کیس کا جائزہ لیتے ہیں۔یہ کہ کسی جاہل اور گنوار شخص نے قرآن حکیم کے

ایک یا دو ورق جلا دیئے ہیں یا خدا یا اسکے
رسول کی شان میں گستاخی اور بے حرمتی کے
الفاظ منہ سے نکالے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے
کہ کوئی بھی درست اور صحیح ہوش وحواس والا
شخص ایسا نہیں کر سکتا کم از کم یقیناً پاکستان
میں جہاں مذہبی جذباتیت بہت زیادہ ہے
لیکن پھر بھی اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آجاتا ہے تو
ارتکاب کرنے والے کے ساتھ کیا سلوک ہونا
چاہئے؟ ہماری ہمدردی اور اس شخص کی دماغی
حالت کا معائنہ یا موت کی سزا؟...... اگر کوئی
پاگل پن کی حالت میں ایسا کرے تو اس کے
خلاف کاروائی سے اسلام کو اور "توہین دین"
کے تصور کو نقصان پہنچتا ہے۔"

مذکوہ پیراگراف کے تمام پہلوؤں پر شعوری نظر ڈالنے سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ایاز امیر صاحب جو کچھ فرما گئے ہیں کم از کم اسے ان کا غیر شعوری موقف قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے اندر دو چیزیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں...... پہلی یہ کہ ان کے نزدیک کوئی صحیح ہوش وحواس والا شخص توہین قرآن یا توہین رسالت کا ارتکاب نہیں کرسکتا...... اور دوسری یہ کہ ایسے شخص کے خلاف کاروائی کرنے سے اسلام کو بھی نقصان پہنچتا ہے، اور توہین دین کے تصور کو بھی، یعنی یہ سرے سے توہین دین ہے ہی نہیں......

دوسرا پیراگراف بھی ملاحظہ فرمایئے! فرماتے ہیں کہ:

(۲) "میری گلی میں کوئی شخص خدائی کا یا خدا کی
طرف سے الہام ہونے کا دعویٰ کرتا ہے میں
متجسس ہوجاؤں گا اور شاید کسی حد تک ششدر
بھی ہوجاؤں میں یقیناً پولیس سٹیشن کی طرف
نہیں بھاگوں گا کہ ایک جرم کی شکایت درج
کرواؤں، اگر میں اتنا بیوقوف بھی ثابت ہوا
کہ ایسا کر بیٹھوں تو مجھے ایس، ایچ، او سے توقع
ہوگی کہ وہ مجھ سے معاملہ دبانے کیلئے کہے لیکن
اگر دور اندیشی پر جرأت غالب آجائے اور ایک
مقدمہ بھی درج ہوجائے تو میں متعلقہ جج سے
توقع رکھوں گا کہ وہ ثبوت کی عدم موجودگی کی
بناء پر مقدمہ خارج کردے۔

یہ ایاز امیر صاحب کا ایک ایسا چونکا دینے والا موقف ہے، جو کسی بھی باایمان وباغیرت مسلمان کے دل ودماغ میں تہلکہ مچادینے والا ہے، اس موقف کے اندر اشترا کی حدت یا سیکولر شدت ہر ہوشمند مسلمان محسوس کرسکتا ہے۔

صفائی کا اہتمام نہ کرنا توہین دین ہے!

ایاز امیر صاحب نے سوسائٹی کے اندر صفائی کا اہتمام نہ کرنے کو بھی توہین دین قرار دیا ہے، اور اس کے لیے انہوں نے حضور علیہ السلام کا حوالہ بھی دیا ہے...... بے شک حضور علیہ السلام نے صفائی کو نصف ایمان قرار دیا ہے، لیکن کیا حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو صرف سڑکوں، بازاروں اور گلیوں کی صفائی کا ہی حکم دیا ہے؟ کیا صرف ان صفائی کا اہتمام نہ کرنا ہی توہین دین ہے؟ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جملہ اہل ایمان وایقان کو ہر قسم کی صفائی کا خیال رکھنے کا حکم جاری فرمایا ہے...... وہ اپنی امت سے ذہن وفکر کی صفائی کا تقاضا بھی کرتے ہیں، یعنی عقائد وافکار کو درست رکھنا، جسے ایمان کا نام دیا گیا ہے...... وہ اپنی امت سے قلب کی صفائی کا تقاضا بھی کرتے ہیں، یعنی نیت وارادہ کو صحیح رکھنا، جسے تزکیہ نفس کا نام دیا گیا ہے...... وہ اپنی امت کو جسم ولباس اور ماحول کی صفائی کا حکم بھی دیتے ہیں، جسے طہارت کا نام دیا گیا ہے، ...... وہ اپنی امت کو اعمال وکردار کی صفائی کا حکم بھی دیتے ہیں، یعنی صورت وسیرت کو سنت رسولؐ کے سانچہ میں ڈھالنا، جسے تقویٰ کا نام دیا گیا ہے...... وہ زبان وقلم کو بے حیائی اور غیر شریفانہ طرز تحریر وتقریر کی آلودگیوں سے پاک رکھنے کا حکم بھی دیتے ہیں، جسے اخلاق کا نام دیا گیا ہے۔ غرضیکہ فرمان نبوی کی روشنی میں صفائی کا صرف ایک پہلو نہیں ہے، بلکہ مفہوم ومقصود کے اعتبار سے وہ اپنے اندر وسعتوں کا ایک عمیق سمندر رکھتا ہے...... ایاز امیر صاحب کو فکر ہے کہ اگر حضور علیہ السلام آج ہماری سوسائٹی میں آکر کوڑے کے ڈھیر اور جگہ جگہ بکھری ہوئی گندگیوں کو دیکھ لیں تو سخت ناراضگی محسوس فرمائیں گے...... ہم ایاز امیر

صاحب کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر بالفرض آج حضور علیہ السلام ہماری سوسائٹی کا معائنہ کرنے کے لیے تشریف لے آئیں تو وہ ہماری سوسائٹی کی ظاہری غلاظتوں کو دیکھ کر اتنا پریشان نہ ہوں گے جتنا...... سینماؤں کی نخش فلموں...... تھیٹروں کے عریاں اسٹیج ڈراموں...... سڑکوں اور چوکوں میں لگے برہنہ پوسٹروں...... سودی بینکوں...... حکومتی کرپشنوں...... سیاسی اجارہ داریوں...... اسمبلیوں کے اخلاق سوز ہنگاموں...... تھانوں کچہریوں اور عدالتی ناانصافیوں کو دیکھ کر ان کو دکھ اور صدمہ ہوگا...... لہٰذا اگر ایاز امیر صاحب حضور علیہ السلام کی مقصودی صفائی کا حوالہ دینا چاہتے ہیں تو پھر کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں اور غلاظت کے گٹروں سے آگے نکل کر میخانوں، قحبہ خانوں اور کرپٹ ایوانوں تک بھی قلمی رسائی حاصل کریں، اگر حوصلہ فرماسکیں تو درباری سیاست اور زرداری معیشت کے خلاف بھی خامہ فرسائی کی زحمت گوارا کرلیں، کیونکہ حضور علیہ السلام کو نظام وسسٹم کے اندر بھی گندگی وغلاظت کبھی گوارا نہیں رہی۔

حقوق کی عدم ادائیگی بھی توہین دین ہے!

ایاز امیر صاحب نے حقوق کی عدم ادائیگی کو بھی توہین دین قرار دیا ہے، یقیناً ان کے اس دعویٰ سے بھی کوئی ہوشمند مسلمان انکار نہیں کرسکتا...... لیکن ہمارا ان سے سوال یہ ہے کہ جس مملکت کے اندر...... ایک جرنلسٹ اپنا ایک حق رکھتا ہو، اور میڈیا کی طاقت سے اپنا وہ حق حاصل بھی کرلیتا ہو...... ایک ڈاکٹر، وکیل، پروفیسر اپنا ایک حق رکھتا ہو...... حتیٰ کہ کلرک، چپڑاسی اور چوکیدار بھی اپنا اپنا ایک حق رکھتے ہوں...... کیا اس اسلامی ملک کے اندر...... خدا، قرآن اور رسولؐ...... کا کوئی حق تسلیم نہ کرنا توہین دین نہیں؟...... یہ کس قدر ظالمانہ فلسفہ ہے کہ پاکستان جیسے اسلامی ملک کے اندر...... جنگلی درخت اپنا ایک حق رکھتا ہے کہ اسے حکومتی اجازت وپرمٹ کے بغیر کاٹا نہیں جاسکتا...... جنگلی جانور اپنا ایک حق رکھتا ہے کہ بغیر سرکاری لائسنس کے اس کا شکار ممنوع ہے...... اس ملک کے اندر اس خدا کا کوئی حق نہیں جسکی حاکمیت اعلیٰ کا اعتراف قرارداد مقاصد کے ذریعہ دستور پاکستان کے اندر موجود ہے؟...... اس ملک کے اندر اس قرآن اور رسولؐ کا کوئی حق نہیں جنکی تعلیمات دستور پاکستان کی بنیاد تسلیم کی گئی ہیں؟...... یہ کس قدر آمرانہ فلسفہ ہے کہ جس ملک کے اندر...... پبلک کو ان کی ضرورت کے مطابق روٹی نہ دینا تو توہین دین ہے...... لیکن خدا کو گالیاں دینا توہین دین نہیں؟...... قرآن کی تنقیص کرنا توہین دین نہیں؟...... رسول کی شان میں گستاخی کرنا توہین دین نہیں؟ ایاز امیر صاحب اپنے اس ظالمانہ فلسفہ پر نظر ثانی فرماتے ہوئے غور کریں کہ...... یہ فلسفہ کسی مسلمان کا ہے یا کسی کیمونسٹ اشتراکی کا؟

کیا قانون شکنی کا مشورہ دینا توہین دین نہیں؟

ملک کے اندر کسی نہ کسی حوالہ سے قانون شکنی کرنے والے لاکھوں افراد موجود ہوں گے، لیکن پولیس اور عدلیہ جیسے قانون کے محافظ اداروں کو اعلانیہ طور پر قانون شکنی کا مشورہ دینے کی جسارت کرنے والا "قانون شکن کیس" ہمارے سامنے پہلی دفعہ آیا ہے، اور یہ جسارت ایاز امیر جیسا جرنلسٹ کر رہا ہے۔ وہ کھلی اور اعلانیہ جسارت کے ساتھ...... عام مسلمانوں کو بے غیرتی کا...... پولیس آفیسرز کو منصبی غفلت کا...... اور جج کو عدالتی اصولوں کی خلاف ورزی اور ناانصافی کا مشورہ دے رہے ہیں...... دوسرے لفظوں میں وہ تینوں فریقوں کو واضح الفاظ کے اندر قانون شکنی پر ابھار رہے ہیں...... وہ توہین دین کرنے والے مجرم کے خلاف رپورٹ درج کرانے والے مسلمان کو بے وقوف...... رپورٹ درج کرنے والے پولیس آفیسر کو حکمت ودوراندیشی سے محروم...... اور جج کو کیس خارج کردینے کا مشورہ دے کر...... آخر کیا باور کرانا چاہتے ہیں؟...... ذرا غور فرمائیے کہ یہ کس قدر قانون شکن مشورہ ہے کہ...... ایک چیز کا ارتکاب قانوناً جرم ہے...... قانون کے اندر اس جرم کی سزا متعین ہے...... مجرم کے خلاف اس جرم کی عینی شہادتیں موجود ہیں...... تو پھر اس جرم کے خلاف رپورٹ درج کرانے سے اجتناب کرنا...... اور لوگوں کو اس سے منع کرنا کیا قانوناً جرم نہیں ہے؟...... کیا یہ جرم اور مجرم کی حوصلہ افزائی نہیں ہے؟...... کیا یہ قانون وانصاف اور ان کے حفاظتی اداروں کی حوصلہ شکنی نہیں ہے؟...... کیا یہ قانون کے مقابلہ میں لاقانونیت کو فروغ دینا نہیں ہے؟...... کیا جج کو تمام شہادتیں نظر انداز کرتے ہوئے عدم ثبوت کی جھوٹی اور غیر قانونی آڑ لے کر مقدمہ خارج کردینے کا قانون شکن

مشورہ دینا صریح بددیانتی اور قانون شکنی نہیں ہے؟

کیا توہین دین روکنا مملکت کی ذمہ داری نہیں؟

ایاز امیر صاحب لکھتے ہیں کہ قادیانیوں کا عقیدہ درست نہیں۔ اور فرض کرلیا کہ قادیانیوں کا الحاد ایک کینسر کی صورت میں تھا جسے ختم ہونا چاہیے تھا، لیکن کیا یہ مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا کرے؟

...... ہمارا سب سے پہلا سوال ایاز امیر صاحب سے یہ ہے کہ جب اسلامی مملکت کے اصول جاننے اور ریاستی اختیارات کے حدود معلوم کرنے کے لیے "خلافت راشدہ" قیامت تک کی ہر اسلامی مملکت کے لیے نمونہ وآئیڈیل ہے، تو پھر کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس مقصد کے لیے کسی اور طرف دیکھے۔ مسلمانوں کے لیے وہی اتھارٹی اور معیار ہے، اور خلافت راشدہ کا نظام ہم پر واضح کرتا ہے کہ...... منکرین ختم نبوت (مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، سجاح بنت حارث وغیرہ) کے خلاف باقاعدہ تلوار اٹھائی گئی...... اسلام سے باغی ہوکر کفر کی طرف واپس لوٹ جانے والے مرتدین کے خلاف باقاعدہ جنگ لڑی گئی...... تارکین ومنکرین زکوٰۃ کے خلاف باقاعدہ قتال کیا گیا...... ساحرین یعنی جادوگر بوجہ ان کے کفر کے قتل کرائے گئے...... فتنہ خوارج کے خلاف اس وجہ سے قتال کیا گیا کہ وہ قرآن حکیم کے علاوہ باقی دلائل شرعیہ (سنت رسول اور سنت خلفاء راشدینؓ) سے منحرف ہوگئے۔ ایک مسلمان کے لیے اسلامی مملکت کے اصول وحدود خلفاء راشدینؓ کے طرز عمل سے بالکل واضح ہیں۔

کیا قادیانی عقائد۔۔۔ توہین دین نہیں؟

قارئین کرام! اب تو یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح پورے عالم اسلام کے سامنے واضح وآشکارا ہوچکی ہے، کہ قادیانیت اسلامی تعلیمات اور عالم اسلام کے خلاف ایک بہت بڑا فتنہ ہے، جسے برطانوی سامراج نے ایک منظم وگہری سازش کے تحت ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور امت مسلمہ کے اندر انتشار وتفریق پیدا کرنے، ان کے درمیان نفاق کا بیج بونے اور مجاہدین حریت کی عسکری قوت کو ترقی وعروج سے روکنے کے لیے پیدا کیا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے قادیانی امت نے اپنی تمام ہمہ گیر توانائیاں صرف کردیں...... علماء ومجاہدین کو ہدف تنقید بنایا...... ان کے خلاف بازاری انداز میں بدزبانیاں کیں، اور امت مسلمہ کو ان سے کاٹنے کی سرتوڑ کوشش کی...... اقتدار برطانیہ کی چھتری کے سایہ میں اس نے خاصی نشو ونما پائی...... جس کی وجہ سے مسلمانان برصغیر ایک طویل جدوجہد، صبر آزما مراحل، اور ان گنت قربانیوں کے بعد اس فتنہ کو قانونی طور پر پاکستان کے اندر پارلیمنٹ کے ذریعہ جمہوری وقانونی ذرائع سے غیر مسلم اقلیت قرار دلانے میں کامیاب ہوئے۔ ایاز امیر صاحب وضاحت کریں کہ قادیانیت کا یہ فکر وطرز توہین دین ہے یا نہیں؟

قادیانیت مفکر پاکستان کی نظر میں!

قادیانیت اور اس کے ہمدرد سیکولر حلقوں اور بعض این، جی، اوز کی طرف سے مسلسل یہ مکروہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ صرف مختلف مکاتب فکر کے چند علماء کا تھا، اور اس کے لیے تحریک بھی صرف مذہبی طبقات نے چلائی، حالانکہ ان کا یہ مؤقف ودعویٰ سراسر غلط وبے بنیاد ہے۔ کیوں کہ مفکر پاکستان علامہ اقبال مرحوم نے بھی قادیانیت کے خلاف قلم اٹھایا۔ قادیانیت کے بارہ میں ان کا مطالبہ بعینہ وہی تھا جو علماء امت کا تھا۔ وہ قادیانیت کو کیا سمجھتے تھے؟ اس کا اندازہ ان کے اس قول سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ وہ قادیانیت کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ:

> "قادیانیت اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہے کہ گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجوع ہے۔" [حرف اقبال ص ۱۲۳]

ایاز امیر صاحب علامہ اقبال مرحوم کی قادیانیت کے بارہ میں تجزیاتی رپورٹ بغور ملاحظہ فرمائیں، اور اندازہ کریں کہ ان کے نزدیک قادیانی تحریک کی مذہبی حقیقت کیا تھی؟ اسی لیے ان کی سرتوڑ کوشش تھی کہ اس قادیانی تحریک کو قانونی طور پر جلد از جلد مسلمانوں سے علیحدہ تحریک قرار دیا جائے۔ چنانچہ اپنے ۱۹۳۵ء کے مطبوعہ ایک مضمون میں فرماتے ہیں کہ

> "اس امر کو سمجھنے کے لیے کسی خاص ذہانت یا غور وفکر کی ضرورت نہیں کہ جب قادیانی مذہبی

ومعاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں تو پھر سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل رہنے کے لیے کیوں مضطرب ہیں؟ علاوہ سرکاری ملازمتوں کے فوائد کے ان کی موجودہ آبادی جو ۵۶ ہزار ہے، انہیں کسی اسمبلی میں ایک نشست بھی نہیں دلاسکتی، اس لیے انہیں سیاسی اقلیت کی حیثیت بھی نہیں مل سکتی......لہٰذا ملت اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو الگ کردیا جائے..............(حرف اقبال، ۱۳۷)

ایاز امیر صاحب کو مفکر پاکستان علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے مذکورہ مؤقف ومطالبہ کو بار بار ملاحظہ فرمانا چاہیے جو اس حقیقت کو صاف اور کھلے لفظوں میں واضح کر رہا ہے کہ قادیانیت مذہبی ومعاشرتی اور سیاسی ہر اعتبار سے ایک الگ اور مستقل گروہ ہے، جس کا امت مسلمہ وملت اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے اس کی مسلمانوں سے علیحدگی کا مطالبہ صرف علماء امت کا نہیں بلکہ تعلیمات اسلامیہ سے باخبر اور حقیقت قادیانیت سے آشنا جملہ سیاسی مفکرین اور دانشوروں کا بھی یہی مطالبہ رہا ہے اور وہ بھی قادیانیت کو ملت اسلامیہ سے الگ، غیر مسلم اقلیت ہی دیکھنا چاہتے تھے۔ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو پاکستانی پارلیمنٹ نے ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر مفکر پاکستان کے خواب کو تعبیر دی ہے......ایاز امیر صاحب کو اس مقام پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ مفکر پاکستان کا مذکورہ مطالبہ انگریزوں کی غیر مسلم حکومت سے تھا، اس حوالہ سے اسلامی مملکت کے اندر اس مطالبہ کی اہمیت کس قدر بڑھ جاتی ہے؟ اس کا اندازہ وہی شخص کرسکتا ہے جو مسلم وغیر مسلم حکومتوں کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

قادیانیت......بھٹو مرحوم......کی نظر میں!

قادیانیت کو جہاں مذہبی طبقات نے خالص مذہبی حوالہ سے دیکھا، وہاں مسلم سیاسی مفکرین نے مذہبیت کے ساتھ ساتھ قادیانیت کے مقاصد وعزائم کی روشنی میں سیاسی حوالہ سے بھی اس کا جائزہ لیا، سابق وزیراعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے بارہ میں دنیا جانتی ہے کہ وہ سوشلسٹ فکر کے حامل تھے، چنانچہ ۱۹۷۴ء میں جب بعض شر پسندوں نے قادیانیت کے خلاف پاکستانی پارلیمنٹ کے فیصلہ پر تنقید کرتے ہوئے حکومت پاکستان، اپوزیشن اور پارلیمنٹ پر اعتراضات کا "پنڈورا باکس" کھولا تو بھٹو مرحوم نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"قادیانیوں کے خلاف پارلیمنٹ نے اس لیے فیصلہ دیا کہ قادیانی گروہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر بعض غیر ملکی طاقتوں کے ذریعہ پاکستان کے اندر وہ حیثیت وپوزیشن حاصل کرنا چاہتے ہیں جو امریکہ کے اندر یہودیوں نے حاصل کر رکھی ہے۔"

بھٹو مرحوم کا اشارہ اس طرف تھا کہ جس طرح یہودیوں نے امریکہ کے سیاسی واقتصادی نظام پر اپنے مضبوط پنجے گاڑ رکھے ہیں اور ورلڈ بینک سمیت پورے امریکی وعالمی معاشی سسٹم کو اپنے کنٹرول میں لے رکھا ہے اسی طرح قادیانی بھی پاکستان کے سیاسی نظام واقتصادی سسٹم کو اپنے کنٹرول میں لینا چاہتے ہیں اس لئے پاکستانی پارلیمنٹ کا فیصلہ ملک کے سیاسی ومعاشی مفادات کے تحفظ کے لیے ضروری وناگزیر تھا، جو لوگ قادیانیوں کے موجودہ "نا لیاقتی نظام" سے واقف ہیں ان کے لیے بھٹو مرحوم کے خطرات وخدشات کو سمجھنا مشکل نہیں ہوگا۔

پارلیمنٹ میں قادیانیوں کی بے بسی

ایاز امیر صاحب کو یہ حقیقت بھی اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ ۱۹۷۴ء میں پارلیمنٹ کے اندر قادیانیوں کے خلاف فیصلہ ہنگامی بنیادوں پر نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اسمبلی کے اندر بل پیش ہوا......وہ بل بحث کے لیے منظور کیا گیا......اس پر باقاعدہ بحث کی گئی......قادیانیت کے دونوں گروہوں (قادیانی ولاہوری) کے پیشواؤں (مرزا ناصر احمد اور صدر الدین) کو پارلیمنٹ میں طلب کیا گیا......کئی دن تک ان سے سوال وجواب ہوئے اور ان کے مکمل لاجواب ہونے کے بعد پارلیمنٹ نے ان کے خلاف فیصلہ دیا......اس وقت کی تمام مذہبی وسیاسی جماعتوں نے اس فیصلہ کی تائید وتوثیق کی، یہ بل بالاتفاق منظور ہوا، کسی جماعت اور کسی رکن

اسمبلی نے بل کی مخالفت نہیں کی، کسی نے اجلاس کا بائیکاٹ نہیں کیا، یعنی جس طرح ۱۹۷۳ء کا آئین اتفاقی ہے اسی طرح یہ آئینی ترمیم بھی اتفاقی ہے۔ کیا ایاز امیر صاحب اس ترمیم کو ختم کرانے کے لیے وہی صورتحال پیدا کر سکیں گے کہ تمام مذہبی وسیاسی جماعتیں اس کے خاتمہ پر متفق ہوں؟

امریکہ کو...... کیا...... تکلیف ہوئی؟

ایاز امیر صاحب کا کہنا ہے کہ قادیانیوں کے خلاف پارلیمنٹ کے فیصلہ سے پاکستانی عوام کو کیا فائدہ پہنچا ہے؟ ہمارا ان سے سوال یہ ہے کہ پاکستانی عوام کو اس سے کوئی فائدہ پہنچا ہے یا نہیں، امریکہ اور یورپین ممالک کو آخر اس سے کیا نقصان پہنچا ہے کہ وہ مسلسل پاکستان پر ان قوانین کے خاتمہ کے لیے دباؤ بڑھا رہے ہیں؟ ایاز امیر صاحب نے کبھی اس پہلو پر غور کیا کہ امریکہ اور اس کے یورپین اتحادیوں کو قادیانیوں سے آخر کیا ہمدردی ہے کہ وہ پاکستان کو دی جانے والی ہر فوجی واقتصادی امداد کو ان قوانین کے خاتمہ سے مشروط کرتے ہیں؟ انہی قوانین کی وجہ سے انہوں نے ۱۶ سال تک پاکستان کو اقتصادی پابندیوں میں جکڑے رکھا؟ حتیٰ کہ امریکہ نے ان ایف، سولہ طیاروں کی ڈلیوری بھی روک دی۔ جس کی قیمت اسے ادا کی جا چکی تھی، انہیں بھی قادیانیوں کے خلاف موجود قوانین کے خاتمہ سے مشروط رکھا گیا؟ اور تا حال ان کی مکمل ڈلیوری نہیں ہو سکی۔ ایاز امیر صاحب کے مذکورہ کالموں کو اسی وجہ سے امریکی ایجنڈہ کا حصہ قرار دیا جا رہا ہے...... اور پھر ایاز امیر صاحب کا یہ الزام بھی حقیقت ودیانت کے خلاف ہے کہ قادیانیوں کو ہم نے اپنے عقیدہ سے نکالا ہے، کیا قادیانیوں کو عقیدہ ختم نبوت پامال کرنے کا مشورہ ہم نے دیا تھا؟ کیا ان کو مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت ماننے پر ہم نے مجبور کیا تھا؟ جب یہ سب کچھ انہوں نے اپنی مرضی واختیار سے کیا، امت مسلمہ کے عقیدہ سے علیحدگی کا راستہ خود انہوں نے اختیار کیا تو پھر الزام ہم پر کیسا؟

ایاز امیر صاحب...... فیصلہ کریں کہ...... وہ خود کیا ہیں؟

ایاز امیر صاحب کو پاکستان بھر کے مسلمانوں سے یہ شکوہ ہے کہ انہوں نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ان سے ظلم کیا ہے، ناانصافی کی ہے، انہیں انسانی حقوق سے محروم کیا ہے...... ہم ان سے فقط یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ہم نے تو انہیں مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت ماننے کی وجہ سے صرف کافر وغیر مسلم ہی قرار دیا ہے۔ جب کہ وہ مرزا قادیانی کی نبوت کو نہ ماننے والے دنیا کے ایک ارب ۴۵ کروڑ مسلمانوں کو مرزا قادیانی کی زبان میں...... لومڑی...... خنزیر...... سانپ...... کنجریوں کی اولاد...... جنگلوں کے سور...... اور ولد الحرام...... تک قرار دیتے ہیں...... اب ایاز امیر صاحب وضاحت فرما دیں کہ...... کیا وہ قادیانی ہیں؟ اگر وہ قادیانی نبوت کو نہیں مانتے تو غور فرما لیں کہ جن قادیانیوں کی وہ وکالت کر رہے ہیں ان کی نظر میں وہ کیا ہیں؟...... اور یہی وہ گالیاں ہیں جن کا اعتراف مرزا قادیانی کے پوتے مرزا ناصر احمد نے پارلیمنٹ کے اندر کیا تھا، اور جنہیں سن کر بھٹو مرحوم بھی چونک اٹھے تھے۔

مسیحی فرقوں کے...... اختلاف سے...... غلط استدلال!

ایاز امیر صاحب نے امریکہ کے اندر موجود مختلف مسیحی فرقوں کا حوالہ بھی دیا ہے کہ شدید ترین باہمی اختلافات کے باوجود وہ ایک دوسرے کو غیر عیسائی قرار دینے کے لیے ریاست سے مطالبہ نہیں کرتے۔ ایاز امیر صاحب کا یہ استدلال حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے یا حقیقت سے چشم پوشی کی۔ اگر امریکہ یا کسی دوسرے ملک کے اندر مسیحی فرقوں کے درمیان آئینی جنگ موجود نہیں ہے تو اس کے دو اسباب ہیں...... (۱) تمام عیسائی فرقے تمام تر اختلافات کے باوجود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر متفق ہیں، ان میں سے کوئی فرقہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی اور کو نبی نہیں مانتا۔ ان کے تمام تر اختلافات اپنے نبی کی تعلیمات پر ہیں۔ جب کہ قادیانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرزا قادیانی کی نبوت کاذبہ کو مانتے ہیں، لہذا ان کو مسیحی فرقوں پر قیاس کرنا ہی باطل ہے۔...... (۲) امریکہ یا دیگر یورپین ممالک کا شمار غیر نظریاتی ریاستوں میں ہوتا ہے، وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدید تعصب رکھنے کے باوجود آئینی طور پر سیکولر ہیں، اور سیکولر ریاستوں کے اندر مذاہب ریاستی اختیارات کے عمل دخل سے باہر نکل جاتے ہیں، لیکن ایاز امیر صاحب یہ بھول رہے ہیں کہ پاکستان ایک خالص نظریاتی اور دستور کے اعتبار سے ایک اسلامی ریاست ہے، جس

میں اسلامی احکامات وتعلیمات کے تحفظ کی دستوری ضمانت موجود ہے۔

یہودی اپنے عبادت خانہ کا نام مسجد رکھیں تو کیا حرج ہے؟

ایاز امیر صاحب قادیانیت کی وکالت میں اس قدر آگے چلے گئے ہیں کہ انہوں نے یہودیوں کو بھی مسلمان کہلانے اور اپنے عبادت خانہ کا نام مسجد رکھنے کا حق دیدیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک یہودی اگر اپنے آپ کو مسلمان کہنا چاہتا ہو اور اپنی عبادت گاہ کو ایک مسجد، تو اس پر فوجداری قانون کا اطلاق کس طرح ہوسکتا ہے؟ تصوراتی وخیالی فلسفہ رکھنے والے ایاز امیر صاحب کے لیے یہ سادہ سی بات نا قابل فہم ہوکر رہ گئی ہے کہ کچھ چیزیں خصوصی شناخت سے تعلق رکھتی ہیں، اگر کوئی دوسرا اس شناختی علامت کو اختیار کرے تو اس پر جعلسازی کا فوجداری قانون لاگو ہوتا ہے۔ کیا ایاز امیر صاحب وضاحت کرنا پسند فرمائیں گے کہ...... اگر کوئی غیر پولیس مین پولیس کی وردی پہن کر پھرتا پکڑا جائے تو اس پر جعلسازی کا فوجداری قانون کیسے لاگو ہوسکتا ہے؟...... اگر کوئی آدمی میجر، کرنل، جنرل کی وردی پہن کر پھرتا مل جائے اور وہ اس عہدہ پر فائز بھی نہ ہو تو اس پر جعلسازی کا فوجداری قانون کیونکر جاری ہوگا؟...... اگر کوئی غیر ڈاکٹر بغیر ڈاکٹری ڈگری کے کلینک یا ہسپتال کھول کر بیٹھ جائے تو اس پر جعلسازی کے فوجداری قانون کا اطلاق کیسے ہوسکتا ہے؟...... اگر کوئی جعلی سند اور دو نمبر ڈگری کے ساتھ پارلیمنٹ میں جا بیٹھے تو اس کو جعلسازی کے فوجداری قانون کے تحت اسمبلی رکنیت سے کیسے معطل کیا جاسکتا ہے؟...... یہ تو وہ چند مثالیں دی گئی ہیں جن سے ہماری قوم کو مسلسل واکثر واسطہ پڑتا رہتا ہے اور ایسی مزید سینکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جو ہماری سوسائٹی کے اندر موجود ہیں۔

ایاز امیر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام نے بھی مسلمانوں کی شناخت کے لیے کچھ اصول متعین کیے ہیں، تا کہ کوئی جعلساز ان کو اختیار کرکے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکے...... اگر جعلی ڈاکٹر کا بنایا ہوا کلینک یا ہسپتال فوجداری قانون کی زد میں آسکتا ہے تو جعلی مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد پر اس کا اطلاق کیوں نہیں ہوسکتا؟...... ایاز امیر صاحب کے علم میں ہونا چاہیے کہ حضور علیہ السلام نے کبھی کسی مذہب کا عبادت خانہ نہیں گرایا، لیکن منافقین مدینہ (جعلی مسلمانوں) کی تیار کردہ مسجد ضرار مسمار کردی...... سیدنا امام فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد خلافت میں پوری سلطنت کے اندر باقاعدہ یہ فرمان جاری کررکھا تھا کہ کسی غیر مسلم کو مسلمانوں جیسی ہیئت اختیار کرنے کی اجازت نہیں۔ جو غیر مسلم مسلمانوں جیسی ہیئت اختیار کرے گا اس پر فوجداری قانون کا اطلاق ہوگا اور اسے کوڑے مارے جائیں گے۔ اور یہ سب اقدامات صرف اس لیے تھے کہ کوئی جعلساز بہروپیا مسلمانوں کا روپ دھار کر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکے، لیکن حیرت ہے کہ ایاز امیر صاحب کو یہ بالکل سامنے کی بات بھی محسوس نہیں ہورہی، یا شاید وہ کسی پروگرام وایجنڈہ کے تحت قادیانیوں اور یہودیوں کو دعوت دے رہے ہیں کہ قادیانی اور یہودی رہ کر تو تم اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، لو میں تمہارے لیے راہ ہموار کرتا ہوں، تم مسلمان بن کر اور مسجد بنا کر اپنا یہ فریضہ سرانجام دے لو؟

توہین دین کرنے والا کافر یا پاگل؟

ایاز امیر صاحب توہین دین کرنے والوں کو کافر کی بجائے پاگل قرار دیتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ کوئی باہوش وحواس شخص نہ خدائی کا دعویٰ کرسکتا ہے، نہ نبوت کا مدعی ہوسکتا ہے، نہ توہین خدا کرسکتا ہے، نہ تنقیص قرآن کرسکتا ہے، اور نہ گستاخی رسالت کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہماری سوسائٹی میں ایسا عمل کرتا ہے تو وہ پاگل ہے مینٹل کیس ہے، اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے، اس کے خلاف ایف، آئی، آر درج کرانا بے وقوفی ہے، اسے ذہنی معائنہ کی ضرورت ہے نہ کہ سزائے موت کی، ایاز امیر صاحب کا یہ فکر وفلسفہ کہاں تک صحیح قرار دیا جاسکتا ہے اس کا ہم چند حقائق وشواہد کے حوالہ سے جائزہ لینا چاہیں گے؟

کیا توہین دین...... اطلاقی جرم نہیں؟

ایاز امیر صاحب کا سیکولر فلسفہ توہین خدا، توہین قرآن اور توہین رسالت کو اطلاقی جرم کی حیثیت سے قبول کرنے پر آمادہ نہیں، یعنی ان کے نزدیک یہ ایسے جرم نہیں جنہیں قانوناً ممنوع قرار دیا جاسکے، لہٰذا

ایسے کسی مجرم کے خلاف قانونی کارروائی کرنا پاگل پن ہے، جس سے توہین دین کے تصور کو نقصان پہنچتا ہے۔ حالانکہ اسلامی تاریخ کے اندر ہر دور کی اسلامی مملکت میں توہین خدا، توہین قرآن، توہین رسالت، دعویٰ الوہیت اور دعویٰ نبوت جیسے امور اطلاقی جرائم ہی تسلیم کیے گئے ہیں، اور مجرموں کو باقاعدہ سزائیں دی گئی ہیں، اس بارہ میں نہ فقہاء کرام کی کبھی دورائے رہی ہیں اور نہ یہ مسئلہ ائمہ اہل سنت کے ہاں کبھی متنازعہ رہا ہے۔

انکارِ دین...... اور توہین دین...... میں فرق!

اس مقام پر اس حقیقت کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ضروریات دین سے انکار اور ضروریات دین کی توہین دو الگ الگ مسئلے ہیں، اور دونوں کے احکامات جدا ہیں...... انکار خدا، انکار قرآن، انکار رسالت واقعی اطلاقی جرم نہیں، لیکن توہین خدا، توہین قرآن، توہین رسالت بلاشک وشبہ اطلاقی جرائم ہیں۔ دونوں میں فرق نہ کرنا علم وایمان کے بھی منافی ہے اور عقل ودانش کے بھی خلاف ہے۔

دماغی حالت کا...... معائنہ کرانا...... کس کی ذمہ داری ہے؟

ایاز امیر صاحب توہین دین کے ہر مجرم کے پیچھے جنون و پاگل پن ہی کو لازمی قرار دیتے ہیں، جو سراسر عقل ودیانت کے خلاف ہے، کیونکہ اس کے لیے "توہین دین" کی قید ایک کھلی جسارت اور ہٹ دھرمی ہے، اس کے پیچھے "سیکولر عصبیت" اپنا کام دکھا رہی ہے، عقل کا تقاضا ہے کہ اگر جنون و پاگل پن ہی کو بنیاد بنایا جائے تو ہر جرم کے لئے بنایا جائے، لیکن ایاز امیر صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس تفریق کو ختم کردینے سے سوسائٹی اور جرائم پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرہ میں بعض جرائم پاگل پن کی وجہ سے بھی ہوتے ہیں، لیکن اکثر جرائم کا ظہور تعصب، بغض، عناد، انتقام اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر ہوتا ہے، اور جو جرائم پاگل پن کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں ان میں بھی مجرم کی گرفتاری ضرور عمل میں آتی ہے، اس کے بعد ہی سپیشلسٹ ڈاکٹروں کی میڈیکل رپورٹس کے مطابق اگر وہ مینٹل کیس ثابت ہوجائے تو عدالتی کارروائی کی نوعیت بدل جاتی ہے، گھر بیٹھا جرنلسٹ کسی مجرم کو بغیر کسی میڈیکل رپورٹ کے ذہنی مریض کیسے قرار دے سکتا ہے؟ اور اس کے خلاف رپورٹ درج کرانے سے کیونکر منع کرسکتا ہے؟

اگر ایاز امیر صاحب اپنے فکر وفلسفہ پر بضد ہیں تو ہم ان سے جاننا چاہیں گے کہ...... کوئی باہوش وحواس انسان قتل...... جبری آبروریزی...... چوری اور ڈکیتی جیسے جرائم میں مبتلا کیسے ہوسکتا ہے؟...... کیونکہ ہر جرم کے پیچھے کوئی نہ کوئی پاگل پن ضرور ہوتا ہے...... کسی کے پیچھے شہوت کا...... کسی کے پیچھے انتقام کا...... کسی کے پیچھے غرور وانانیت کا...... کسی کے پیچھے غربت ومفلسی کا...... کسی کے پیچھے احساس برتری کا...... کسی کے پیچھے احساس کمتری ومحرومی کا...... کسی کے پیچھے حرص وہوس کا...... کسی کے پیچھے نفرت وعداوت کا...... کسی کے پیچھے غیرت وحمیت کا...... اور کسی کے پیچھے مذہبی، سیاسی، قومی، نسلی عصبیت کا...... یعنی ہر مجرم کسی نہ کسی حوالہ سے ذہنی طور پر ابنارمل ضرور ہوتا ہے، لہٰذا ایاز امیر صاحب کے فلسفہ کی روشنی میں کسی بھی مجرم کے خلاف قانونی کارروائی کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ اور اگر ایاز امیر صاحب اپنے فلسفہ کو صرف توہین دین تک محدود رکھیں، اور بغیر کسی مستند میڈیکل رپورٹ کے صرف توہین دین کے مجرموں کو ہی پاگل ومجنون قرار دیں تو انہیں کم از کم اس بات پر غور کرلینا چاہیے کہ وہ اپنی قلمی جدوجہد کے ذریعہ کس ذہن اور کس طبقہ کی ترجمانی کررہے ہیں؟...... اور کیا ان کا یہ طرز فکر دوہرے معیار پر دلالت نہیں کرتا؟

ہتک عزت...... کا...... قانون!

اس مسئلہ کا ایک المناک وشرمناک پہلو یہ بھی ہے کہ ایاز امیر صاحب توہین دین کے بارہ میں مذکورہ تصور اس سوسائٹی میں دے رہے ہیں جہاں کسی بھی شخص کی توہین وتذلیل کرنے والے کے لئے ہتک عزت کا قانون موجود ہے، اور اسے اطلاقی جرم تسلیم کیا گیا ہے۔ گویا ایاز امیر صاحب پاکستانی مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ...... ایک جرنلسٹ ایک ایم، این، اے کی توہین وتذلیل تو اطلاقی جرم ہے، جس کا مقدمہ بھی درج ہوسکتا ہے، اور عدالت سے قید وجرمانہ کی سزا بھی دی جاسکتی ہے...... لیکن خدا تعالیٰ، انبیاء کرام علیہم السلام اور قرآن حکیم کی توہین وتنقیص نہ اطلاقی جرم ہے، نہ مجرم کے خلاف کیس درج ہوسکتا ہے اور نہ اسے سزا دی جاسکتی ہے۔ گویا ان کی عزت وناموس

(العیاذ باللہ تعالی) معاشرہ کے ایک عام فرد جتنی وقعت بھی نہیں رکھتی۔ ایاز امیر صاحب کے سامنے...... ایک طرف سیکولر فکر تھا...... اور دوسری طرف ایمان واسلام...... بدقسمتی سے انہوں نے اپنا سیکولر فکر بچانے کے لیے اپنے ایمان کی گردن پر چھری چلادی، خدا معلوم کتنی قیمت پر؟

اختر شیرانی......اور......ایاز امیر!

ایاز امیر صاحب کے اس طرز فکر سے ایک واقعہ ذہن میں آ گیا جو ہمارے خطہ کے معروف شاعر اختر شیرانی مرحوم سے متعلق ہے، اس واقعہ کی روشنی میں اختر شیرانی کے ایمانی فکر اور ایاز امیر صاحب کے سیکولر فکر کا موازنہ کرتے ہوئے سر دھنیے!

> اختر شیرانی اردو ادب کے مشہور شاعر گزرے ہیں، ایک دفعہ لاہور کے عرب ہوٹل میں چند کمیونسٹ نوجوانوں نے انہیں گھیر لیا، اس وقت تک اختر شیرانی شراب کی دو بوتلیں چڑھا چکے تھے، ہوش قائم نہ تھے، بدن پر رعشہ طاری تھا، الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے، ادھر "انا" کا یہ عالم کہ نہ صرف اپنے ہم عصر شاعروں اور ادیبوں کو ہی خود سے کم تر خیال کرتے تھے بلکہ ماضی کے فکری وادبی دانشوروں کی بھی ان کے ہاں کوئی وقعت نہ تھی...... فیض، جوش، سردار جعفری، فراق، ساحر لدھیانوی، ظہیر کاشمیری، احمد ندیم قاسمی، افلاطون، ارسطو اور سقراط کے بارہ میں پوچھا گیا، کسی کو خاطر میں نہ لائے، ایک ظالم قسم کے کمیونسٹ نے سوال داغ دیا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں کیا خیال ہے؟...... اللہ اللہ ایک شرابی، جیسے کوئی برق تڑپی ہو، شیشہ کا گلاس اٹھا کے اس کے سر پہ دے مارا...... بدبخت! ایک روسیاہ اور ایک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے؟ تجھے جرأت کیسے ہوئی اس حالت میں یہ سوال کرنے کی؟ گستاخ، بے ادب، اس شریر سوال سے توبہ کر، میں تمہارا خبث باطن جانتا ہوں...... اور پھر رونا شروع کردیا، قہر وغضب کی تصویر بن گئے، اس نوجوان کو محفل سے اٹھوادیا، اور پھر خود بھی اٹھ کر چلے گئے۔ تمام رات روتے رہتے، بار بار کہتے، یہ لوگ کتنے نڈر ہوگئے ہیں کہ ہم سے آخری سہارا بھی چھین لینا چاہتے ہیں، میں گنہگار ہوں، مگر یہ مجھے کافر بنادینا چاہتے ہیں۔۔۔(مجھے ہے حکم اذاں ص ۱۷-۱۸)

ایاز امیر صاحب! غور فرمایئے اپنے ہوش وحواس کے نتیجہ کا...... اور اختر شیرانی مرحوم کی مدہوشی کے رزلٹ کا، یہی ہے عشق رسالت کی وہ چنگاری جو ایک شرابی کے سینہ سے آتش فشاں بن کر پھٹ پڑی ہے، یہ چنگاری بھی دم توڑ دے تو پھر "توہین دین" کے ایسے ایسے اشتراکی تصور ابھرتے ہیں کہ شیطان بھی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے، اختر وایاز کے فکر میں یہی فرق ہے کہ

میخواری میں بھی جو غافل نہ ہو شان رسالت سے
ایاز کی ہوش مندی سے شیرانی بادہ خوار اچھا

بردباری......اور بے غیرتی...... میں فرق!

ایاز امیر صاحب نے توہین رسالت کرنے والے سے درگزر کرنے کا نام بھی بردباری رکھا ہے، اور اس کے لیے انہیں آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر کوڑا کرکٹ پھینکنے والی مکی عورت کا قصہ غالباً بچپن سے ازبر ہے، ان کا کہنا ہے کہ حضور علیہ السلام جب اپنی توہین برداشت کرلیتے تھے تو ہمیں بھی آپ کی توہین پر صبر وحوصلہ کا مظاہرہ کرنا چاہئے، حیرت کی بات ہے کہ ایاز امیر جیسا جرنلسٹ ان دونوں حالتوں میں فرق کرنے سے بھی محروم ہے، کیا حضور علیہ السلام کا اپنی توہین برداشت کرنا اور مسلمانوں کا آپ کی توہین برداشت کرنا برابر ہے؟ کیا دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟ اور کیا واقعی توہین خدا، توہین قرآن اور توہین رسالت برداشت کرلینے کا نام ہی مذہبی رواداری ہے (العیاذ باللہ تعالی) حالانکہ یہ فکر ورویہ تو ہمارے سماجی طرز زندگی اور عرفی قانون وعقلی تقاضوں کے بھی سراسر منافی ہے، کیونکہ ان کے اندر بھی بردباری اور بے غیرتی میں بڑا نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً...... اگر کوئی شخص ایاز امیر صاحب کی توہین وتذلیل کرے تو ان کا (کسی مجبوری وکمزوری ومصلحت کے بغیر) اس کو

برداشت کرلینا یقیناً بردباری کہلائے گی، لیکن اگر ان کے بیٹے کی موجودگی میں کوئی ان کا گریبان پکڑے، یاان کی توہین وتذلیل شروع کردے تو بیٹے کی برداشت کوکوئی بھی ذی ہوش رواداری کا نام نہیں دے سکتا، اسے ہماری سوسائٹی میں بزدلی یا بے غیرتی کا نام ہی دیا جاسکتا ہے البتہ رواداری و بے غیرتی کے درمیان فرق صرف وہی محسوس کرسکتا ہے جس کی تعلیم وتربیت غیرت وحمیت کے ماحول میں ہوئی ہو، مادر پدر آزاد فرنگی ماحول اور یورپین کلچر کا پروردہ کوئی بھی شخص اس فرق کو محسوس کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوتا ہے، کیونکہ فرنگی لغت اور انگلش ڈکشنری کے اندر غیرت وحمیت یااس سے مترادف لفظ سرے سے موجود ہی نہیں۔

کیا پاگل...... کے دعوے کو ماننے والا بھی...... پاگل ہے؟

ایاز امیر صاحب اپنے اشتراکی فلسفہ کی روشنی میں خدائی کے دعویدار اور مدعی نبوت کو پاگل وجاہل ہی قرار دیتے ہیں، اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ...... خدائی کے دعویدار پاگل کو خدا...... اور نبوت کے دعویدار پاگل کو نبی ماننے والوں کے بارہ میں ایاز امیر صاحب کا فلسفہ کیا کہتا ہے؟ ان کو بھی صرف پاگل وجاہل قرار دے کر درگزر کرنا ہے یاان پر کوئی اطلاقی فرد جرم عائد ہوگی؟ مثلاً مرزا قادیانی تو ایاز امیر صاحب کے نزدیک دعویٰ نبوت کی بناء پر پاگل ٹھہرا، اب اس کو نبی ماننے والے ہزاروں قادیانیوں کے بارہ میں کیا حکم ہوگا؟ اگر وہ بھی ایاز امیر صاحب کے نزدیک صرف پاگل ہی ٹھہریں گے تو پھر ایاز امیر صاحب سے چند حقائق کی وضاحت درکار ہوگی۔

(۱) کیا پاکستان کا...... پہلا وزیر خارجہ...... پاگل تھا؟

قیام پاکستان کے بعد فرنگی دانشوروں نے ایک منظم سازش کے تحت سر ظفر اللہ خان کو پہلا وزیر خارجہ بنایا، جو مرزا قادیانی کو نبی مانتا تھا، اپنے اسی کفریہ عقیدہ کی وجہ سے قائداعظم مرحوم کی نماز جنازہ پڑھنے سے اس نے یہ کہہ کر انکار کردیا تھا کہ

مجھے ایک مسلمان حکومت کا کافر وزیر

......یا......

کافر حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لیں

یعنی اس نے پورے دھڑلے کے ساتھ قائداعظم مرحوم، ان کا جنازہ پڑھانے والے علامہ شبیر احمد عثمانی اور جنازہ پڑھنے والے لاکھوں مسلمانوں کو علی الاعلان کافر قرار دیدیا، بلکہ پوری حکومتی مشینری کو کفر کے کھاتے میں ڈال دیا۔ (حیرت ہے کہ سر ظفر اللہ کا اپنے دجال وکذاب نبی پر ایمان اتنا پختہ تھا، اور ایاز امیر صاحب اپنے سچے نبی حضور علیہ السلام پر ایمان میں اتنے کچے نکلے کہ ان کو کافر قرار دینے والے ملکی قوانین کے خاتمہ کے لیے سرگرم عمل ہوگئے۔ یعنی پسند اپنی اپنی، نصیب اپنا اپنا) اب ایاز امیر صاحب اگر سر ظفر اللہ کو ایک پاگل کی نبوت ماننے والا پاگل قرار دیں تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ پاگل تھا۔

(۲) کیا عالمی عدالت انصاف...... کا...... جج پاگل تھا؟

سر ظفر اللہ کو پاکستان کا وزیر خارجہ مقرر کرنے والی استعماری قوتوں نے قادیانیت کے خلاف پاکستانی مسلمانوں کا شدید ردعمل دیکھ کر اس کو عالمی عدالت انصاف کا جج مقرر کردیا، تاکہ عالمی سطح پر پاکستان کے علاوہ باقی ممالک کے مسلمانوں کے سامنے اسے عالمی عدالت کے مسلمان جج کی حیثیت سے متعارف کرایا جاسکے، اور دنیا کے اندر قادیانیوں کو مسلمان کی حیثیت سے شو کیا جاسکے، لیکن پاکستان کی بیدار مغز مذہبی قیادت کی حکمت وجرأت نے ان کے مذموم مقاصد کو ہمیشہ کامیابی سے دور رکھا، اب ایاز امیر صاحب ہی اس بات کی وضاحت کرسکتے ہیں کہ ان کے اس انکشاف کے بعد بین الاقوامی طور پر اس کا تاثر کیا ہوگا کہ عالمی عدالت نے پاکستان سے ایک ہی جج لیا تھا وہ بھی سالا پاگل نکلا؟

(۳) کیا نوبل پرائز...... لینے والا...... سائنسدان پاگل تھا؟

ایاز امیر صاحب نے اپنے کالم کے اندر ڈاکٹر عبدالسلام کا تذکرہ بھی بڑے فخر سے کیا ہے، اور پاکستانی تعلیمی اداروں پر طنز کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ آج تک دوسرا ڈاکٹر عبدالسلام پیدا نہیں کرسکے، ڈاکٹر عبدالسلام ایک پاکستانی قادیانی سائنسدان تھے "نیوکلیئر ایٹمی فزکس" ان کا شعبہ تھا، صدر جنرل یحییٰ خان اور صدر ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے ایٹمی مشیر رہ چکے تھے، سر ظفر اللہ خان کو پاکستان کی وزارت خارجہ اور عالمی عدالت انصاف تک پہنچانے والی استعماری قوتوں کے ذریعہ انہیں نوبل پرائز ملا۔ جس کے پس پردہ مقاصد وعزائم وہی تھے جو سر ظفر اللہ کو ان

مناصب تک پہنچانے کے تھے، چنانچہ عالمی سطح پر بڑی شدت کے ساتھ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ ڈاکٹر عبدالسلام پہلے مسلمان سائنسدان ہیں جو نوبل پرائز حاصل کر سکے۔ قطع نظر اس سے کہ نوبل پرائز کی حقیقت کیا ہے؟ سعودی عرب اور مراکش سمیت بعض مسلم ممالک نے بھی ان کے پاکستانی ہونے کی بنا پر ان کو مسلمان سمجھتے ہوئے غلط فہمی و لاعلمی کی وجہ سے انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا، اس پر پاکستان کی غیور مذہبی قیادت نے شدید احتجاج کیا کہ ڈاکٹر عبدالسلام مسلمان نہیں، پاکستانی سائنسدان ہے۔ بعض مسلم ممالک نے تو مل کر ڈاکٹر عبدالسلام کی سربراہی میں "اسلامی طبیعاتی فاؤنڈیشن" بھی قائم کر لی، اور کثیر مقدار میں رقوم بھی جمع کر لی گئیں، عالمی استعماری قوتوں کا اس کے ذریعہ پروگرام یہ تھا کہ......

(۱) قادیانیوں کو دیگر مسلم ممالک اور مسلمانوں کے سامنے مسلمان ثابت کیا جا سکے، اور پاکستان کی مذہبی قوتوں کا دیگر مسلم ممالک سے ذہنی و فکری تصادم پیدا کر دیا جائے، تا کہ پاکستان کے اندر قادیانیت کا مستقبل محفوظ ہو جائے (۲) ڈاکٹر عبدالسلام کو عالم اسلام کا ہیرو تسلیم کرا کے قادیانی ترقی کا راستہ ہموار کیا جائے (۳) مسلم ممالک کے فنڈز سے "اسلامی طبیعاتی فاؤنڈیشن" کے نام سے ایک "قادیانی فاؤنڈیشن" قائم کر لی جائے، جسمیں سرمایہ مسلمانوں کا لگے اور قوت قادیانیوں کی مستحکم ہو۔

۱۹۷۴ء میں پاکستانی پارلیمنٹ نے قادیانیوں کو جب غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا تو پارلیمنٹ کے اس فیصلہ کے بعد ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان چھوڑ کر لندن چلے گئے۔ جب وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے انہیں ایک "سائنس کانفرنس" میں شرکت کا دعوت نامہ بھیجا تو ڈاکٹر عبدالسلام نے جواب میں لکھا کہ

"میں اس لعنتی ملک میں قدم نہیں رکھنا چاہتا، جب تک آئین میں کی گئی ترمیم واپس نہ لی جائے۔"

اس پر بھٹو مرحوم خاصے برہم ہوئے اور غصہ سے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا، انہوں نے اسی وقت "اسٹیبلشمنٹ ڈویژن" کے سیکرٹری وقار احمد کو لکھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو فی الفور برطرف کر دیا جائے اور بلا تاخیر نوٹیفکیشن جاری کیا جائے۔ لیکن وقار احمد بھی چونکہ قادیانی تھے، اس لیے وہ اس فائل کو گول کر گئے۔ ایاز امیر صاحب وضاحت فرمائیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام جب حکومت پاکستان کے ملازم تھے، تو ان کے پاس وزیر اعظم کی دعوت مسترد کرنے اور سائنس کانفرنس میں شرکت نہ کرنے کا کیا قانونی و اخلاقی جواز تھا؟...... لندن بیٹھ کر پاکستانی خزانہ سے تنخواہ وصول کرتے اور مراعات لیتے وقت تو کبھی یہ نہیں کہا کہ میں لعنتی ملک کی تنخواہ وصول نہیں کرتا، میں لعنتی ملک کی مراعات نہیں لیتا...... کیا ایاز امیر صاحب اس قانون شکن اور اخلاق سوز شخصیت پر صرف اس لیے ناز فرما رہے ہیں کہ اس نے "نوبل پرائز" حاصل کیا ہے؟ اور پھر وہ اس بات پر بھی غور فرمائیں کہ ان کے فلسفہ کی روشنی میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی ہونے کی بنا پر پاگل تھا، ان کے اس انکشاف کے بعد عالمی دنیا میں کیا تاثر ابھرا ہو گا کہ پاکستان سے اپنی مرضی کا ایک سائنسدان ملا تھا، وہ بھی کمبخت پاگل نکلا؟

ڈاکٹر عبدالسلام اور...... ڈاکٹر عبدالقدیر خان!

ایاز امیر صاحب اگر محسوس نہ فرمائیں اور ان کی طبع نازک پہ گراں نہ گزرے تو ہم ان سے یہ درخواست کرنے کی جسارت کریں گے کہ وہ ایک جرنلسٹ ہونے کی حیثیت سے اس بات کا کھوج لگانے کی کوشش کریں کہ جو عالمی استعماری قوتیں ایک قادیانی پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل پرائز دے رہی ہیں، وہی عالمی استعماری قوتیں ایک سچے، پکے مسلمان سائنسدان اور محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان حفظہ اللہ تعالیٰ کو ایٹمی ٹیکنالوجی کی چوری کا عالمی مجرم قرار دے کر انہیں بدنام کرنے کی مذموم کوشش کر رہی ہیں اور اس مقصد میں جنرل پرویز مشرف نے جو گھناؤنا اور شرمناک کردار ادا کیا، اس کے پیچھے دال میں کچھ کالا کالا یا پوری دال کالی کالی نظر آتی ہے، ہم واضح کر چکے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل پرائز کسی فنی صلاحیت کی بنا پر نہیں صرف قادیانی ہونے کی بنا پر دیا گیا، چنانچہ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے جب ایک انٹرویو میں ڈاکٹر عبدالسلام کے بارہ میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ:

"ڈاکٹر عبدالسلام کو جو نوبل انعام دیا گیا وہ بھی نظریہ (یعنی قادیانی ہونے) کی بنا پر دیا گیا، ڈاکٹر عبدالسلام ۱۹۵۷ء سے اس کوشش میں تھے

کہ انہیں نوبل انعام ملے، آخر کار آئن سٹائن کی صد سالہ یوم وفات پر ان کا مطلوبہ انعام دیدیا گیا۔ دراصل قادیانیوں کا اسرائیل میں باقاعدہ مشن ہے، جو ایک عرصہ سے کام کر رہا ہے، یہودی چاہتے تھے کہ آئن سٹائن کی برسی پر اپنے ہم خیال لوگوں کو خوش کیا جائے، سو ڈاکٹر عبدالسلام کو بھی انعام سے نوازا گیا ....

..................(ہفت روزہ چٹان ۶ فروری ۱۹۸۶ء)

ایاز امیر صاحب محسن پاکستان کے اس بیان پر غور فرمائیں کہ وہ کھلے لفظوں میں واضح کر رہے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل انعام کسی فنی صلاحیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ ...... قادیانی ہونے کی بنیاد پر ملا ...... جس کے حصول کے لیے وہ سالہا سال کوشش میں مصروف رہے ...... آخر ۲۲ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد ۱۹۷۹ء میں یہودیوں کے خصوصی فضل و کرم سے وہ یہ انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ...... یہودیوں نے بھی کسی فنی صلاحیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنا ہم خیال سمجھ کر انہیں اس خصوصی انعام سے نوازا ...... اور قادیانیوں کا اسرائیل کے اندر باقاعدہ ایک مشن کام کر رہا ہے ...... چنانچہ مفکر پاکستان علامہ اقبال مرحوم کا یہ قول سو فیصد درست ثابت ہوا کہ "قادیانیت یہودیت کا چربہ ہے"۔

پاگلوں کا ٹھکانہ .... پاگل خانہ!

مذکورہ حقائق و واقعات کی روشنی میں اگر ایاز امیر صاحب ہماری طرف سے اپنے فکر و فلسفہ پر نظر ثانی کی پرخلوص دعوت قبول فرمائیں تو ہم ان کے ممنون ہوں گے، بصورت دیگر اگر وہ اپنے اسی فکر و فلسفہ پر قائم رہنے پر مصر ہوں تو پھر ہم انہیں اسی مسئلہ کے دوسرے پہلو پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کا مشورہ دیں گے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ پاگل کسی بھی انسانی سوسائٹی کے لیے نہایت خطرناک سمجھا جاتا ہے، اس لیے اسے معاشرہ سے دور رکھنے کے لیے "مینٹل ہسپتال" تعمیر کیے جاتے ہیں، تاکہ وہاں پاگلوں کا علاج بھی ہو سکے اور ان کی پاگلانہ حرکتوں سے سوسائٹی کو بھی بچایا جا سکے۔ لہٰذا ایاز امیر صاحب پر جہاں ایک جرنلسٹ کی حیثیت سے پاگلوں کی نشاندہی کرنا ضروری ہے، وہاں ایک ایم این اے کی حیثیت سے ان پاگلوں کو پاگل خانہ تک پہنچانا بھی ان کا قومی و اخلاقی فریضہ ہے، بایں وجہ ان پاگلوں (قادیانیوں) کو قانون اور قید سے بچانا ہی ان کی ذمہ داری نہیں بلکہ ان کو "پاگل خانہ" تک پہنچانے کی فکر کرنا بھی ان کے لئے ضروری ہے۔ ان کو مرتد ہونے کی بنا پر صرف موت سے بچانا ہی مسئلہ کا حل نہیں بلکہ ان کو پاگل ہونے کی وجہ سے بجلی کے جھٹکے لگوانا بھی ان کے معاشرتی و سماجی حقوق کا حصہ ہے، کیونکہ نہ تو انہیں سوسائٹی کے اندر کھلا چھوڑ دینا دانشمندی کا تقاضا ہے اور نہ ان کے علاج سے بے پرواہ ہو جانا کسی رکن پارلیمنٹ کے لیے مناسب ہے، امید ہے ایاز امیر صاحب اس اہم پہلو پر خصوصی توجہ دیں گے۔

پاگلوں کو ...... سرکاری عہدوں سے ...... برطرف کیا جائے!

ایاز امیر صاحب کو پاکستانی عوام کے اس ۶۳ سالہ مطالبہ کی تائید و حمایت بھی کر ہی دینی چاہیے کہ قادیانی اپنے مذہبی عقیدہ و سیاسی نظریہ کی وجہ سے ملک و قوم کے لیے شدید خطرات کا باعث ہیں، وہ اسرائیل کے ایجنٹ بھی ہیں اور اکھنڈ بھارت کے قائل بھی، لہٰذا انہیں ملک کے کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے۔ ایاز امیر صاحب کے فلسفہ کی روشنی میں تو ان پاگلوں کی ہر قسم کے چھوٹے بڑے عہدوں سے فوری برطرفی ضروری ہو جاتی ہے، کیونکہ کوئی بھی پاگل اپنی کسی پاگلانہ حرکت کے ذریعہ کسی بھی وقت ملک و قوم کے لیے کسی بھی قسم کا "سیکورٹی رسک" بن سکتا ہے، اور اس سے ناقابل تلافی نقصان کے علاوہ ملکی امیج خراب ہونے کا اندیشہ بھی ہے، بلکہ حکومت کو چاہیے کہ وہ ماضی کے ایسے سابقہ ریکارڈ بھی چیک کرے جہاں کوئی پاگل ڈیوٹی دے چکا ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ ...... نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم کے قتل ...... قائد اعظم مرحوم کے علاج کی طرف عدم توجہ ...... معاہدہ تاشقند ...... سقوط ڈھاکہ ...... ۶۲ سال سے اقوام متحدہ کے آفس میں ہزاروں فائلوں کے نیچے دم توڑتی قرارداد کشمیر ...... اور جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ و جنرل اختر عبدالرحمٰن شہیدؒ کے فضائی حادثہ ...... کے پیچھے بھی کسی پاگل ہی کا ہاتھ ہو؟

غیرت ایمانی ...... کا تمسخر!

ایاز امیر صاحب کی جرأت و جسارت قابل حیرت ہے، وہ ایک طرف قادیانیوں کے خلاف قانون سازی سے روکتے ہیں، دوسری طرف عوام، پولیس اور عدلیہ کو قانون شکنی کا مشورہ دیتے ہیں

اور اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ مسلم عوام کی غیرت ایمانی کا برملا تمسخر بھی اڑاتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"تکلیف دہ بات یہ ہے کہ کچھ برسوں سے تعصب اور عدم رواداری ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ رچ بس گئی ہے اور توہین دین کے چکر میں آنے والی تین پارٹیاں یعنی شکایت کنندہ، پولیس افسر اور جج، یہ سمجھتی ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہی ہیں اور اس کے بدلے انہیں ثواب بھی مل رہا ہے۔ یہ قانون کی وجہ سے ملنے والی جزباتی شدت ہے جو مذہبی راست روی کے لباس میں چھپی ہوتی ہے۔"

ایاز امیر صاحب اپنے فکر و فلسفہ کے ذریعہ پبلک کو کیا "میسج" دینا چاہتے ہیں؟ ہمارے خیال میں ان کے ذہنی عزائم اور فکری مقاصد تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کسی گہری ذہانت کی ضرورت نہیں، انہوں نے مسلمانوں کی دینی غیرت وحمیت کو مذہبی راست روی میں چھپی ہوئی جذباتی شدت قرار دے کر ان کے ایمان وایقان پر جس انداز سے طنز و طعن کے نشتر چلائے ہیں اس سے ان کے اندر کا اشتراکی ایاز امیر کھل کر سامنے آ گیا ہے، ان کے اس طرز سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ماسکو کی زبان میں بات کر رہے ہیں، وہ باایمان و باغیرت مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ توہین دین کے حوالہ سے ایمانی اور قانونی تقاضے پورے کرنے میں نیکی وثواب کا تصور غلط و بے بنیاد ہے، جو صرف جذباتی شدت کا نتیجہ ہے اور ملک کے اندر اسلامی قانون سازی سے اس جذباتی شدت میں اضافہ ہی ہوا ہے، لہٰذا اسلامی قانون سازی کا راستہ بند کرنا چاہئے، اس مقام پر ہم ایاز امیر صاحب سے چند باتیں عرض کرنے کی جسارت کریں گے۔

(پہلی) یہ کہ توہین دین کے مقدمہ سے متعلق ان کا یہ کہنا کہ تینوں فریقوں کا اجر وثواب کی امید رکھنا غلط ہے، سراسر جہالت پر مبنی ہے، اور اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی دلیل ہے، ایمانی نکتہ نظر سے اس مقدمہ کے تینوں فریق عند اللہ اجر وثواب کے مستحق ہیں اور اس کے لئے انہیں کسی سیکولر جرنلسٹ کی ضمانت کی ضرورت نہیں ہے، لیکن آپ فرمائیے کہ توہین دین کرنے والوں کی حوصلہ افزائی اور دفاع دین کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرنا کون سا کار ثواب ہے؟ ہاں البتہ اس میں پونڈوں اور ڈالروں کی امید یقینی طور پر کی جا سکتی ہے۔

(دوسری) یہ کہ جس غیرت ایمانی وحمیت دینی کو وہ جذباتی شدت قرار دے کر اس کا مذاق اڑا رہے ہیں وہ ہر کس و ناکس کے فہم وشعور میں آنے والی نہیں، اس کا احساس وادراک صرف وہی مسلمان کر سکتا ہے جو دین کی محبت اور عشق رسالت کی ایمان افروز اور دل سوز لذتوں سے آشنا ہو، اس انمول ولا فانی نعمت اور لازوال لذت سے محروم کوئی جرنلسٹ نہ تو اس غیرت ایمانی کا ادراک کر سکتا ہے اور نہ اس حمیت اسلامی کا اسے احساس ہو سکتا ہے۔

(تیسری) یہ کہ وہ تاریخ اسلامی کو ضرور پیش نظر رکھیں، اور اس ناقابل انکار حقیقت کو کبھی بھی نظر انداز نہ کریں کہ اگر ہر دور کی امت مسلمہ کے اندر ایاز امیر جیسے نام نہاد دانشور توہین دین کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنے والے موجود رہے ہیں تو...... غازی علم دین شہیدؒ...... غازی عبد القیوم شہیدؒ...... غازی مرید حسین شہیدؒ...... غازی محمد میاں شہیدؒ...... غازی عبد الرشید شہیدؒ...... غازی محمد صدیق شہیدؒ...... غازی معراج دین شہیدؒ...... غازی امیر احمد شہیدؒ...... غازی عبداللہ شہیدؒ...... غازی عبد المنان شہیدؒ...... غازی عبد الرحمٰن شہیدؒ...... غازی محمد حنیف شہیدؒ...... غازی منظور حسین شہیدؒ...... اور غازی عامر چیمہ شہیدؒ...... جیسے توحید کے متوالوں، شمع رسالت کے پروانوں اور دین حق پر مر مٹنے والے دیوانوں سے بھی یہ امت کبھی محروم نہیں رہی۔ اگر بالفرض توہین رسالت اور امتناع قادیانیت وغیرہ اسلامی قوانین کالعدم قرار دے دیئے گئے تو توہین دین کے مجرموں کو سزا پھر بھی ملے گی، فرق صرف اتنا ہوگا کہ ایسے مجرم عدالتی کٹہروں میں سزا پانے کی بجائے گلیوں، سڑکوں اور بازاروں میں سزا پائیں گے...... سزا دینے والا اگر عدالت کا جج نہیں ہوگا تو غیرت کا قاضی ہوگا...... اور یہ صورت حال قانون کی وجہ سے ملنے والی جذباتی شدت پیدا نہیں کرے گی بلکہ اصول دین کو

قانون کے حوالہ سے تحفظ فراہم نہ کرنے والی وہ تحریک اس کی ذمہ دار ہوگی جس تحریک کے داعی ایاز امیر صاحب ہیں......اور ہمارے خیال میں ایاز امیر صاحب بھی شاید پسند نہ کریں کہ عدالت کے اندر لڑی جانے والی قانونی جنگ، سڑکوں، بازاروں اور گلیوں کی ایمانی اور غیرتی جنگ میں تبدیل ہو جائے، یہ خوفناک صورتحال نہ قوم کے لیے بہتر ہوگی، نہ ملک کے لیے مفید ہوگی اور نہ حالات کی نزاکت اس کی اجازت دیتی ہے، اس لیے ہم بصد ادب واحترام ایاز امیر صاحب سے درخواست کریں گے کہ وہ اسلامی قوانین کے خاتمہ کا مطالبہ کرنے سے قبل اسلامی تاریخ اور زمینی حقائق کو کسی صورت نظر انداز کرنے کی غلطی نہ کریں، کیونکہ اس معاملہ کی حساسیت کا اندازہ آپ نہیں کر پا رہے۔

عہد رسالت کے......گستاخان رسول......کا قتل!

ایاز امیر صاحب کے طرز فکر سے محسوس ہوتا ہے کہ سیرت طیبہ کے بارہ میں ان کا مطالعہ خاصا محدود ہے، شائد اشترا کی فکر کا تفصیلی مطالعہ کرنے کی وجہ سے اس مطالعہ کے لیے انہیں موقع نہ مل سکا ہو، انہوں نے حضور علیہ السلام پر کوڑا کرکٹ پھینکنے والی عورت کا قصہ تو پرائمری و مڈل نصاب سے خوب از بر کر رکھا ہے، لیکن عہد نبویؐ کے ان گستاخان رسالت کے انجام کی ان کو خبر نہیں جو حکم نبیؐ سے قتل کیے گئے، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ......کعب بن اشرف یہودی کو گستاخی رسالت کے جرم میں بحکم نبیؐ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے قتل کیا...... عبدالعزیٰ بن خطل گستاخی رسالت کے جرم میں بحکم نبیؐ بایں حالت قتل کیا گیا کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر کعبۃ اللہ کی دیوار سے چمٹا ہوا تھا۔ گویا اس واقعہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی کہ شان رسالت میں گستاخی کرنے والا حرم کعبہ کے مقام امن میں بھی پناہ حاصل کرنے کا حقدار نہیں ہے، اس سنگین جرم کی وجہ سے گستاخی رسالت کے مجرم کو وہاں بھی قتل کیا جائے گا......ایاز امیر صاحب کے لیے دعوت فکر ہے کہ وہ مذکورہ واقعات سے اندازہ کر لیں کہ......توہین رسالت واقعی ایک اطلاقی جرم ہے......حضور علیہ السلام نے گستاخان رسالت قتل کرائے ہیں...... ایسے جرم میں ملوث مجرم کے لیے کوئی رعایت نہیں، خواہ وہ مرد ہو یا عورت......ایسے مجرم کو نہ حرم کعبہ میں معافی دی جاسکتی ہے اور نہ باہر......اور اس کے اطلاقی جرم ہونے کے لیے احکامات نبی علیہ السلام سے بڑھ کر کسی مسلمان کو کسی اور دلیل کی حاجت وضرورت نہیں۔

رواداری......اور......قانون!

ممکن ہے ایاز امیر صاحب پینترا بدل جائیں، یا ان کا کوئی سیکولر واشترا کی ذہنیت کا کوئی "روشن خیال" دوست یہ اعتراض جھاڑ دے کہ پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وسلم میں (العیاذ باللہ تعالیٰ) اپنی توہین برداشت کرنے کا حوصلہ بھی نہ تھا، جس کی وجہ سے وہ اپنی توہین کرنے والوں کو قتل کرادیا کرتے تھے۔ لیکن انہیں اس مقام پر یہ حقیقت بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ مکی زندگی کے ۱۳، سال دعوت وتبلیغ کے تھے، اور اس کے لیے جس صبر وحوصلہ اور برداشت ورواداری کی ضرورت تھی، حضور علیہ السلام نے اس میں کسی کمی وغفلت کا مظاہرہ نہیں کیا، جبکہ مدنی زندگی کے ۱۰، سال اسٹیٹ کے قیام اور ریاست سازی کے تھے، جن میں مدینہ منورہ کو "اسلامک اسٹیٹ" بنانے کا حکم الٰہی نازل ہو چکا تھا، لہٰذا وہاں حضور علیہ السلام کی پوری توجہ اور جدوجہد اسلامی ریاست کی بنیاد رکھنے اور اسے عالم اسلام کا مرکز بنانے کی طرف مرکوز رہی۔ اسٹیٹ کے لیے دستور وقانون سازی کی ضرورت بنیادی اہمیت رکھتی ہے، اسی لیے پرسنل لائف کی فکری وعملی اصلاح کے اکثر احکام ومسائل مکی زندگی میں نازل ہوئے، جبکہ اسٹیٹ وریاست کے قیام کے بعد اکثر ریاستی قوانین وحدود کا نزول مدنی زندگی میں ہوا۔ توہین رسالت وتوہین دین بھی چونکہ ایک اطلاقی جرم ہے اور جرائم کا انسداد مملکت وریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے، اس لیے حضور علیہ السلام نے گستاخان رسالت کا قتل (العیاذ باللہ تعالیٰ) عدم رواداری، برداشت کی کمی، یا حوصلہ سے محرومی کی بنا پر نہیں کرایا، بلکہ توہین رسالت کی سزا متعین کرنے اور سمجھانے کے لیے کرایا، جس کے ذریعہ امت کو یہ سمجھانا مقصود تھا کہ توہین رسالت اطلاقی جرم ہے اور اس جرم کو روکنا مملکت کی ذمہ داری ہے۔ یقیناً حضور علیہ السلام کو من جانب اللہ یہ خبر مل چکی ہوگی کہ میری امت کے کچھ نام نہاد "روشن خیال" ایسے

بھی پیدا ہوں گے جنہیں مکہ کی بوڑھی عورت کا قصہ تو از بر ہوگا اور وہ اس کی آڑ میں توہین دین و گستاخی رسالت کرنے والے کفار و مرتدین کی وکالت کرتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کریں گے، اس لیے امت مسلمہ پر واضح کر دیا کہ...... بوڑھی عورت کا کوڑا برداشت کرنا میری رواداری تھی، اور کعب بن اشرف کا قتل اسلامی قانون ہے...... طائف کے پتھر کھانا میری رواداری تھی، اور ابن خطل کا قتل اسلامی قانون ہے...... امید ہے کہ ایاز امیر صاحب اچھی طرح جان چکے ہوں گے کہ رواداری اور قانون میں کیا فرق ہوتا ہے؟ رواداری برتنا پرسنل معاملہ ہے، جبکہ قانون کا نفاذ مملکت کی ذمہ داری ہے۔

امیر و غریب...... کی...... تفریق کس نے پیدا کی؟

ایاز امیر صاحب نے امیر و غریب کے درمیان طبقاتی تفریق کا رونا بھی رویا ہے...... ہماری سوسائٹی میں امیر و غریب کے درمیان جو تفریق موجود ہے، جس میں غریب کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، ایاز امیر صاحب وضاحت فرمائیں کہ یہ تفریق کس کی پیدا کردہ ہے؟ حقوق و معاملات سے متعلق یہ "لیول وسٹینڈرڈ سسٹم" کس کا تیار کردہ ہے؟ یہ...... پرائمری لیول...... مڈل لیول...... ہائی لیول...... اپر لیول...... وی، آئی، پی لیول...... کس منحوس نظام کا حصہ ہیں؟ معاشی اعتبار سے تفریق کے یہ منحوس طبقات کس نے قائم کیے ہیں؟ تعلیمی اداروں سے لیکر ہر محکمہ کے دفاتر اور تجارتی مراکز تک اس طبقاتی تقسیم کو کس شر پسند سسٹم نے رواج دیا ہے؟ کیا اس کی ذمہ داری ان اسلامی قوانین پر ہے جن کے خلاف ایاز امیر سرگرم ہیں؟ ہمارے ہاں مساجد کے اندر تو یہ طبقاتی تقسیم نہیں ہے...... کوئی لیول سسٹم نہیں ہے...... کسی مسجد کے اندر...... اے لیول...... بی لیول...... کی صف بندی نہیں ہے، یہاں تو

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

ہمارے دینی مدارس بھی "لیول سسٹم" سے بحمد اللہ تعالیٰ محفوظ ہیں، ہر مدرسہ کے اندر ہر لیول کا طالب داخلہ لے سکتا ہے، ان کی کلاسوں کے اندر بھی "لیول" سسٹم نہیں ہے...... ان کی نشستوں کے اندر بھی "لیول سسٹم" نہیں ہے، یعنی مدارس بھی تمام طبقات کے لیے یکساں...... کلاسز بھی سب کے لیے یکساں...... نشستیں بھی سب کے لیے یکساں۔ لیکن آپ اپنے سسٹم پر نظر ڈالیے جہاں "لیول وسٹینڈرڈ" ہی بنیادی اہمیت رکھتا ہے...... ایک کرنل اور ایک سپاہی...... ایک ہوم سیکرٹری اور اس کے چپڑاسی...... ایک مینیجر اور اس کے چوکیدار کے درمیان تو ڈیوٹی کے اعتبار سے فرق سمجھ آتا ہے...... لیکن ان کے بچوں کے درمیان تفریق کی دیواریں کس نے کھڑی کر دیں؟...... کرنل، ہوم سیکرٹری اور مینیجر کے بچوں کے سکول اور ہیں، چپڑاسی، چوکیدار اور سپاہی کے بچوں کے سکول اور ہیں...... اُن کو لانے لیجانے کے لیے اے، سی گاڑیاں ہیں، اِن کو لانے لے جانے کے لیے چھکڑے ہیں...... وہ کون سا منحوس نظام اور بدبخت سسٹم ہے جس نے عہدوں کے امتیاز کا اثر بچوں پر بھی ڈال دیا ہے؟...... بچوں کے درمیان امتیازی تفریق کی دیواریں کس نے کھڑی کر دیں؟...... وثوق سے تو نہیں کہا جا سکتا لیکن سسٹم کے حوالہ سے غالب گمان یہی ہے کہ ایاز امیر صاحب کے نوکر چپڑاسی اور چوکیدار کے بچے یقیناً اس سکول میں نہیں پڑھتے ہوں گے جس سکول میں ایاز امیر صاحب کے بچے پڑھتے ہیں، یا جہاں انہوں نے پڑھا ہے...... یہی وہ تفریق ہے جو جرائم کو جنم دیتی ہے۔

تعلیم سے...... محرومی کا...... ذمہ دار کون؟

ایاز امیر صاحب نے مملکت کے اندر تعلیم سے محرومی کو بھی توہین دین میں شمار کیا ہے، ظاہر ہے اس سے بھی کوئی ہوش مند انکار نہیں کر سکتا، قطع نظر اس سے کہ توہین دین سے کون سی تعلیم سے محرومی مراد ہے؟ سوال یہ ہے کہ پاکستان کے اندر تعلیم سے اس محرومی کا ذمہ دار کون ہے؟...... کیا اس کی ذمہ داری اُن اسلامی قوانین پر ہے جن کے پیچھے ایاز امیر صاحب لٹھ لیے پھرتے ہیں؟ یا اس کی ذمہ داری مذہبی طبقات پر ہے؟...... یا اس کا ذمہ دار وہ طبقہ ہے جس نے تعلیم کو تجارت بنا رکھا ہے؟...... داخلہ فیس، یونیفارم، منتقلی فیس، نصابی کتب کی خریداری، سکول کے لیے الگ اور ہوم ورک کے لیے الگ کاپیوں کی خریداری، ہاسٹل چارجز، میس چارجز، ٹرانسپورٹ چارجز، وزٹ چارجز، ٹور چارجز...... آخر یہ "لانگ لسٹ" اخراجات کن اداروں میں ہو رہے

ہیں؟......پانچ سالہ پرائمری نصاب کو "پریپ" اور "نرسری" وغیرہ کی دُم میں لگا کر صرف فیسوں کا پیریڈ بڑھانے کے لیے کھینچ تان کر کون آٹھ سال تک لے گیا؟......اتنے اخراجات کرنے کے باوجود معیار تعلیم کا عالم یہ ہے کہ "ففٹی پرسنٹ" سے زائد سٹوڈنٹس مختلف مضامین میں ہزاروں روپے فیس دے کر "ٹیوشن" پڑھنے پر مجبور ہیں، اور اس پر بھی ستم یہ کہ تمام پرائیویٹ اداروں میں ہر سال نصاب کے اندر تغیر و تبدل صرف اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ ہر سال سٹوڈنٹس نئی کتابیں خریدنے پر مجبور ہوں، اور کسی ایک کلاس کا نصاب اس کلاس میں داخل ہونے والے نئے طلبہ کے کام نہ آسکے، اور نصاب کے ناشرین سے ہر سال کتب کی نئی خریداری پر کمیشن کمایا جاسکے۔

ہماری ایاز امیر صاحب سے درخواست ہے کہ وہ بحیثیت جرنلسٹ اس بات کا کھوج لگائیں کہ وہ کون سے تعلیمی ادارے ہیں جو گورنمنٹ کا اربوں روپے کا سالانہ بجٹ کھا جاتے ہیں اور پھر بھی ایاز امیر صاحب کو دوسرا ڈاکٹر عبدالسلام فراہم نہیں کر رہے؟

ایاز امیر صاحب! ہمارے دینی نصاب و نظام نے تو ہر دور میں ملت کی ضرورت کو پورا کیا......ہم سے نہ کبھی کسی نے ڈاکٹر عبدالسلام مانگا نہ ہم نے کبھی ڈاکٹر عبدالسلام دینے کی ذمہ داری اٹھائی......ہم سے کسی مسجد کے لیے امام مانگا گیا ہم نے دیا......ہم سے خطیب مانگا گیا، ہم نے دیا ......ہم سے نورانی قاعدہ سے لیکر بخاری شریف و تفسیر قرآن پڑھانے والا مدرس مانگا گیا ہم نے دیا......ہم سے مفتی طلب کیا گیا، ہم نے دیا...... حتیٰ کہ آزاد کشمیر حکومت نے جب عدالتوں میں ججوں کے ساتھ قاضی بٹھانے کا فیصلہ کیا تو آج تک قاضیوں کی سپلائی متاثر نہیں ہوئی......حتیٰ کہ جو ضرورت ہمارے نصاب سے متعلق رہی، ہم نے اس ضرورت کو پورا کیا......امید ہے ایاز امیر صاحب اچھی طرح جان چکے ہوں گے کہ تعلیم سے محرومی کا ذمہ دار کون ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(فصل دوم)

ایاز میر۔۔۔کا طرز فکر

آمریت کی مخالفت۔۔۔۔آمریت کی گود میں!

☆..................☆

ہمارے ملک کے اندر فوجی حکومتیں تقریباً روٹین کا حصہ بن چکی ہیں۔ ہر ۲۰ سالہ عرصہ کے اندر فوجی حکومت کا ایک پیریڈ، لازمی و ضروری سمجھا جاتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد تقریباً ففٹی پرسنٹ سے زائد عرصہ فوج حکمرانی کر چکی ہے۔ ہمارے ہاں کی سیاسی لیڈرشپ اور مروجہ جمہوری سسٹم اس قدر ناکارہ ثابت ہوئے ہیں کہ ہر بار فوج کی آمد پر عوام انہیں صرف ویلکم ہی نہیں کرتے بلکہ اس کی آمد پر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ مٹھائی تقسیم ہوتی ہے اور ہر شہر میں جشن کا سماں ہوتا ہے۔ ہمارے سیاستدانوں اور ان کے حاشیہ برداروں کے نزدیک اگرچہ فوجی حکومت خالص آمریت کہلاتی ہے۔ لیکن یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ جس سیاسی و جمہوری حکومت کا خاتمہ کر کے فوج برسر اقتدار آتی ہے اس حکومت کے سیاسی مخالفین فوجی حکومت کا خیر مقدم کرنے کیلئے فرنٹ لائن پر نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فوج اپنا ایک پیریڈ پورا کر کے دوسرے پیریڈ کا انتظار کرتی ہے اور جب ایک جمہوری حکومت کا مصنوعی ڈھانچہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو حکومت مخالف سیاسی اپوزیشن جماعتیں بڑی شدت کے ساتھ فوجی حکومت کی آمد کا انتظار کرتی ہیں۔ اس طرح نئی جمہوریت کی تلاش میں فوجی حکومت کے انتظار، اور فوجی حکومت کے سایہ میں جمہوریت کے سفر کا سلسلہ پورے تسلسل سے جاری ہے۔ اور یہ بھی ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ ایک فوجی حکومت (جنرل محمد ضیاء شہیدؒ) کی کوکھ سے جنم لینے والے اور اس فوجی حکومت کی گود میں پرورش پانے والے سیاستدان بھی دوسری فوجی حکومت (جنرل پرویز مشرف) کو نری آمریت قرار دینے پر اپنی تمام سیاسی توانائیاں اور مالی وسائل صرف کر رہے ہیں بلکہ آئندہ فوجی آمریت کا راستہ روکنے کے لئے میثاق جمہوریت "چارٹرڈ آف ڈیموکریسی" بھی تیار کر چکے ہیں یعنی جس فوجی آمریت نے ان کے سیاسی و مالی مفادات کو تحفظ بخشا۔ وہ درست اور

قابلِ قبول ۔۔۔اور جس فوجی آمریت کے ذریعہ ان کے سیاسی و مالی مفادات کو نقصان پہنچا وہ آمریت نا قابلِ قبول اور غلط۔

سیاسی دو غلے پن اور جمہوریت کے نام پر منافقت کی اس سے بدترین مثال شائد نہ مل سکے شائد اسی وجہ سے قوم کو اب قطعاً اس بات سے کوئی غرض اور دلچسپی نہیں رہی کہ حکومت فوجی ہو یا جمہوری کرسی اقتدار پر وردی والا ہو یا بغیر وردی کے؟ اسے صرف اپنی ضروریات زندگی سے غرض ہے جو حکومت بھی یہ ضرورت پوری کردے وہی حکومت اسے قابلِ قبول ہے۔اسی لیے انتخابات میں ووٹوں کا " آوٹ آف ٹرن" ففٹی پرسنٹ سے بھی گر چکا ہے۔

ایاز امیر صاحب ۔۔۔کی ۔۔۔سیاسی حکمت عملی

ایاز امیر صاحب کا فکر و فلسفہ اور انکے سیکولر تعصب کی داستان آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔اب ہم انکی نفرتوں کے ذہنی معیار اور ان کی عقیدتوں کی عقلی اتھارٹی کا جائزہ لیں گے۔دیگر سیاستدانوں کی طرح انکی بھی سیاسی پرابلم یہی ہے کہ وہ فوجی حکمرانوں کے بارہ میں متضاد اور جانبدارانہ طرز فکر رکھتے ہیں وہ اپنی سیاسی یا مسلکی مجبوری کی بناء پر ایک فوجی حکمران (جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ) کو آمر و ڈکٹیٹر کا نام دیتے ہیں اور دوسرے فوجی حکمران (جنرل پرویز مشرف) پر دل و جان سے قربان و نثار نظر آتے ہیں۔گویا وہ آمریت کی مخالفت، آمریت کی گود میں بیٹھ کر کرنا پسند کرتے ہیں۔شاید کسی عدم تحفظ کا شکار ہونے کی وجہ ہے؟۔۔۔۔وہ ایک آمر کی بقلم خود غلط پالیسوں کو ختم کرنے کیلئے دوسرے آمر کی دہلیز پر صدائے فریاد بلند کرتے ہیں۔یہ ایک ایسا شرمناک و حیرت انگیز تضاد ہے جس کا کسی بھی حوالہ سے کسی بھی قسم کا کوئی معقول جواز کم از کم ہمیں دستیاب نہیں ہوسکا۔اور ہمارا غالب گمان یہ ہے کہ ایاز امیر صاحب کے سیاسی قائد میاں محمد نواز شریف صاحب کو بھی اس کا کوئی جواز نہیں مل سکے گا۔کم از کم میاں صاحب تو جنرل ضیاء شہیدؒ کی پالیسیوں کو ختم کرنے کا کوئی ادنی سا بھی اختیار جنرل پرویز مشرف کے لئے گوارا نہیں کریں گے۔شاید ایاز امیر صاحب اس حقیقت سے واقف نہ ہوں کہ ان کے قائد کی نظر میں تو جنرل پرویز مشرف سے بڑا آمر و ڈکٹیٹر دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا، قائد اور ورکر کے اختلاف کے حوالہ سے یہ چونکہ مسلم لیگ (ن) کا اندرونی معاملہ ہے اس لیے ہم اس میں مداخلت پسند نہیں کرتے، قائد جسے سب سے بڑا ڈکٹیٹر قرار دیتا ہے وہ ورکر کا ہیرو ہے اور ورکر جسے سب سے بڑا ڈکٹیٹر قرار دیتا ہے وہ قائد کا صرف ہیرو نہیں بلکہ محسن اعظم ہے۔

ایاز امیر صاحب نے جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ کے تیار کردہ اسلامی قوانین کو ختم کرانے کیلئے جنرل پرویز مشرف کی آمریت کا سہارا لینے کی بھرپور کوشش کی۔ان کے انانیت پسند و اقتدار پرست فکری غبارے میں مدح و تعریف کی کافی ہوا بھری، بڑے تسلی دلاسے دیئے کہ اسلامی قوانین ختم کر دینے سے کوئی پہاڑ نہیں ٹوٹے گا۔کوئی طوفان نہیں اٹھے گا۔لیکن پرویز مشرف جیسے کمانڈو جرنیل نے ایاز امیر صاحب کی ایک نہ سنی۔۔۔ان کی کسی تسلی پر اعتبار نہ کیا۔۔۔کسی دلاسہ پر اعتماد نہ کیا۔۔۔شاید وہ ایاز امیر صاحب کے مشوروں کی بیک گراؤنڈ سے واقف تھے کہ ایسے افراد طفل تسلیوں اور خوش فہمیوں کا خیالی سامان تو فراہم کرسکتے ہیں لیکن حقیقت کا سامنا کرنے کا حوصلہ اپنے اندر نہیں رکھتے۔اور اس حقیقت کا سب سے حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ ایک طرف ایاز امیر صاحب کی جرأت کا یہ عالم ہے کہ وہ جنرل پرویز مشرف کے بارہ میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اسلامی قوانین ختم کردیتا تو ایک پتہ بھی نہ ہلتا، اور دوسری طرف ان کے خوف کا عالم یہ ہے کہ فرماتے ہیں.....اسلامی قوانین کی موجودہ صورت حال فوری طور پر تبدیل کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں، کیونکہ اس کوشش کا نتیجہ سخت ردعمل کی صورت میں ہمارے سامنے آئے گا جسے مذہبی تقدس بھی حاصل ہو گا۔لگتا ہے کہ جنرل پرویز مشرف ملیاز امیر صاحب کی دونوں ذہنی کیفیتوں سے اچھی طرح واقف تھے۔۔۔اس لئے انہوں نے ان پر اعتماد نہیں کیا۔

ضیاء دشمنی ۔۔۔۔کے اصل محرکات

ایاز میر صاحب کے طرز فکر سے صاف عیاں ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ سے ان کی نفرت و عداوت کا اصل سبب انکی فوجی وردی اور جمہوری نظام میں انکی مداخلت نہیں، بلکہ ان کو ان سے نفرت و عداوت صرف اور صرف انکی شرافت، دینداری، اسلام پسندی، اسلام پسندوں سے محبت اور اسلامی قانون سازی کی وجہ سے ہے۔اور سوویت یونین

کے خلاف افغان جہاد میں انکی شرکت کی وجہ سے ہے اگر ان کو جنرل ضیاء الحق کے وردی کے ذریعہ برسر اقتدار آنے سے نفرت ہوتی تو یہ جرائم، جنرل پرویز مشرف کے اندر بھی موجود تھے لہذا دونوں سے ان کا فکری و قلمی رویہ یکساں ہونا چاہیے تھا دونوں کی قانون سازی سے اختلاف ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ان کا دونوں سے امتیازی رویہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کے ہاں نفرت وعقیدت کے پیمانے دوسروں سے جدا ہیں۔ معیار دوسروں سے الگ ہیں۔ اگر جنرل محمد ضیاء شہیدؒ بھی انہیں مسجد کی بجائے کلب میں نظر آتے اور انہوں نے بھی جنرل پرویز مشرف کی طرح اعلیٰ نسل کے دو چار کتے گود لئے ہوتے تو یقیناً وہ بھی ایاز امیر کے پسندیدہ ہیرو ہوتے بیشک ان کے بدن پر فوجی وردی ہوتی، لیکن ضیاء شہیدؒ خوش قسمتی سے کتے پال فیملی کے ممبر نہ تھے اور ان کا لگاؤ کلب کے بجائے مسجد سے تھا۔۔۔ وہ سیکولر حلقوں کی بجائے دینی جماعتوں سے رابطہ رکھنے والے تھے اس لئے وہ ایاز امیر کے معیار پر پورے نہ اتر سکے۔ ایک آرمی چیف ایوان صدر میں آ کر ہیرو اور دوسرا اسی ایوان صدر میں آ کر زیرو، کیسے ہو سکتا ہے یہ فلسفہ اور یہ طرز فکر ایاز امیر صاحب سے ہی سیکھا جا سکتا ہے؟

پرویز مشرف۔۔۔۔۔ نے۔۔۔۔۔ مذہبی کارڈ نہیں کھیلا

ایاز امیر صاحب نے بڑے فخر کے ساتھ اپنے سیکولر ہیرو جنرل پرویز مشرف کا یہ کمال بیان کیا ہے کہ۔۔۔ وہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مذہبی کارڈ نہیں کھیلا۔۔۔ ہمارے خیال میں ایاز امیر صاحب نے شاید اس حقیقت کو سامنے نہیں رکھا یا قصداً اس بارہ میں تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں کہ کوئی بھی شخص یا گروہ صرف وہی کارڈ کھیل سکتا ہے جو اس کے پاس موجود ہو۔ جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ نے جو مذہبی کارڈ کھیلا وہ ان کے پاس موجود تھا۔ پرویز مشرف کے پاس جب مذہبی کارڈ، موجود ہی نہ تھا تو وہ بے چارے یہ کارڈ کیسے کھیل سکتے تھے؟ ہاں ان کے پاس "میراتھن ریس کارڈ"...... رقص اور موسیقی کارڈ ...... طبلہ سارنگی کارڈ...... علماء دشمنی کارڈ...... اسلام دشمنی کارڈ...... جہاد اور مجاہدین دشمنی کارڈ...... مساجد و مدارس دشمنی کارڈ...... قوم و ملک دشمنی کارڈ..... افغان وطالبان دشمنی کارڈ..... "ذرا ڈالر دکھا میرا موڈ بنے کارڈ"...... امریکہ دوستی اور یورپین غلامی کارڈ موجود تھے...... اور یہ تمام کارڈز انہوں نے بڑے شوق سے کھیلے۔ ویسے ایاز امیر صاحب کے پاس خود بھی اسلام دشمنی کارڈ، سیکولر کارڈ موجود ہیں اور وہ بڑی خوبصورتی سے یہ کارڈ کھیل رہے ہیں۔ کبھی وہ نظریہ پاکستان کے خلاف پتہ پھینکتے ہیں اور کبھی قرار داد مقاصد کے خلاف۔۔۔۔ کبھی اسلامی قوانین کے خلاف اور کبھی اسلامی قانون سازی کے خلاف ویسے بظاہر انہوں نے اسے ضیاء پالیسی مخالفت کارڈ کا نام دے رکھا ہے۔

تعصب کی لہر کو روکا۔۔۔۔ یا۔۔۔۔ اس کا رخ بدلا؟

ایاز امیر صاحب نے یہ انکشاف بھی بڑے فخر سے کیا ہے کہ۔۔۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں تعصب کی جو لہر اٹھی تھی جنرل پرویز مشرف نے اس لہر کو روکنے کی کوشش کی............ گویا ان کے نزدیک جنرل پرویز مشرف کے برسر اقتدار آنے کا بھی صرف "یک نکاتی ایجنڈہ" تھا اور انہوں نے اپنے تقریباً ۸ سالہ آمرانہ و جابرانہ پیریڈ میں صرف ایک ہی ڈیوٹی سرانجام دی ہے۔ یعنی جنرل ضیاء شہیدؒ کی اسلام پسند پالیسیوں کا صفایا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جنرل ضیاء الحق شہیدؒ کی جن حکیمانہ پالیسوں نے افغان جنگ کے ذریعہ سوویت یونین کا شیرازہ بکھیر کر خطہ کی سپر پاور کا جنازہ نکال دیا تھا۔ جنرل پرویز مشرف کی بزدلانہ و غیر دانشمندانہ حکمت عملی دوسری سپر پاور امریکہ کو خطہ میں لے آئی۔

ایاز امیر صاحب کا یہ کہنا ری خود فریبی ہے کہ جنرل پرویز مشرف نے تعصب کی لہر کو روکنے کی کوشش کی۔ حالانکہ پوری قوم اس حقیقت سے باخبر ہے کہ جنرل پرویز مشرف نے تعصب کی لہر کو روکنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس کا رخ موڑنے کیلئے وردی کی طاقت اور ریاستی جبر کا اندھا، گونگا اور بہرا استعمال کیا اور اس مقصد کیلئے ان کا بھرپور کردار یقیناً ایاز امیر صاحب کیلئے قابلِ رشک ہوگا۔ کیونکہ جنرل پرویز مشرف اپنے اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب رہا اس سے قبل ملک کے اندر تعصب۔۔۔ قوم پرستی۔۔۔ لسانیت۔۔۔ برادری ازم۔۔۔ سیاسی گروہ بندی۔۔۔ یا مذہبی فرقہ واریت کی بنیاد پر تھا۔۔۔ لیکن مذکورہ تمام تعصبات کے

باوجود جب بھی ملک کے اندر اسلامی نظام کے معاملہ میں کوئی مسئلہ درپیش آیا تو قوم متحد ہوگئی اور اس اتحاد کے سامنے ہر حکمران گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگیا۔ لیکن جنرل پرویز مشرف نے ان تمام تعصبات کا رخ پھیر دیا اور تمام اسلام دشمن سیکولر قوتوں کو متحد کر کے مذہبی طبقات کے خلاف لا کھڑا کیا۔ اور اس تعصب کی بنیاد پر اسلام اور سیکولرازم، دو نظاموں کے درمیان مکمل محاذ آرائی قائم کر دی اور جولائی ۱۹۷۳ کے آئین کی تیاری پر آئینی طریقہ سے ختم ہو چکی تھی وہ ۱۹۷۳ کی دستور سازی کے تقریباً ۲۸ سال بعد دوبارہ شروع کر دی گئی۔ اور ایک بار پھر ملک کے اندر سیکولر قوتیں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ برساتی مینڈکوں کی طرح برآمد ہونے لگیں۔ پاکستان کی آئینی حیثیت اور دستور پاکستان جیسے حل شدہ مسائل زیر بحث لا کر انہیں متنازعہ بنانے کی شرمناک وغیر آئینی کوشش شروع کر دی گئی۔

پرویز مشرف ۔۔۔ کے ۔۔۔ سیکولر اہداف

جنرل پرویز مشرف نے مصطفیٰ کمال اتاترک بننے کے شوق میں پوری قوم اور ملک کو ایک ایسے دہکتے الاؤ میں دھکیل دیا ہے جس سے نکلنے کا قوم کو اب کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ سیکولر قوتوں اور اسلام دشمن این جی اوز کو مذہبی قوتوں سے ٹکرانے کیلئے تمام فنڈز پرویز مشرف نے فراہم کیلئے حتیٰ کہ 2005 کے زلزلہ زدگان کیلئے جمع ہونے والی ملکی وغیر ملکی امداد کا کثیر حصہ بھی اسی مقصد پر صرف کر دیا گیا۔۔۔ حکومت کی طرف سے ان اسلام دشمن اداروں کی نہ صرف مالی معاونت کی گئی۔ بلکہ بھرپور طریقہ سے انکی حکومتی سرپرستی بھی کی گئی۔ اور ان کے راستہ میں رکاوٹ بننے والے اسلام پسند ومحب وطن افراد وطبقات کو ریاستی جبر کے ذریعہ ہٹانے کیلئے سرکاری وسائل تک بروئے کار لائے گئے۔ علماء کرام جس کثیر تعداد میں مشرف دور کے اندر شہید کئے گئے اس کی نظیر نہیں ملتی پرویز مشرف کی اسلام دشمنی یہاں تک آگے بڑھ چکی تھی کہ زلزلہ کے دوران شہید اور متاثر ہونے والی مساجد کی جگہ سکول تعمیر کرانے کا اسلام دشمن سیکولر منصوبہ بھی اسی ذہن کی پیداوار تھا۔ جو مذہبی قوتوں کی طرف سے بھرپور مدافعت کے سبب ناکام ہوا۔ اور وہاں مذہبی طبقات اور دینی اداروں نے اپنی مدد آپ کے تحت مساجد دوبارہ تعمیر کیں اور مدارس کی بلڈنگیں ازسر نو کھڑی کیں۔ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت سیکولر دانشوروں اور روشن خیال مذہبی سکالرز کو میڈیا پر فرنٹ لائن کوریج دی گئی اور ضیاء پالیسوں کی آڑ میں ان کے ذریعہ اسلامی قوانین اور اسلامی قانون سازی کے خلاف بھرپور مہم چلائی گئی۔

نواز شریف بھی ۔۔۔ ضیاء باقیات کا حصہ ہیں۔

ایاز امیر صاحب جنرل ضیاء الحق شہیدؒ کی پالیسیوں سے شدید ترین نفرت کا اظہار کرتے ہیں وہ تو حدود آرڈیننس اور توہین رسالت وختم نبوت وغیرہ قوانین کی مخالفت بھی اسلام دشمنی کی بناء پر نہیں بلکہ صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ضیاء پالیسی کا حصہ ہیں اور ضیاء الحق ایک ایسی قابل نفرت شخصیت ہے۔ جس کے واسطہ اور ذریعہ سے آنے والا اسلام یا اسلامی قوانین بھی ناقابلِ تسلیم اور ناقابلِ قبول ہیں۔ لیکن شدید حیرت کی بات ہے کہ ایاز امیر صاحب کو جنرل ضیاء شہیدؒ کے تیار کردہ اسلامی قوانین تو ناپسند ہیں لیکن ان کی تیار کردہ میاں محمد نواز شریف جیسی سیاسی قیادت پسند ہے حالانکہ وہ بھی ضیاء شہیدؒ پالیسی کا حصہ ہیں اور ضیاء باقیات میں شامل ہیں جنہیں جنرل ضیاء شہیدؒ محترمہ بے نظیر بھٹو کے مقابلہ میں متبادل سیاسی قیادت کے طور پر سامنے لائے تھے۔ ایاز امیر صاحب کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ میاں برادران کے خالص صنعتی گھرانے کو جاگیردارانہ سیاست کے مقابلہ میں لانے والا وہی فوجی جرنیل تھا۔ جسے آپ فوجی ڈکٹیٹر قرار دیتے ہیں۔ جس فوجی ڈکٹیٹر کی کوئی پالیسی بقول آپ کے اچھی بہتر اور مناسب نہ تھی خدا معلوم آپ کو ضیاء شہیدؒ کی یہ پالیسی نواز شریف کی سیاسی قیادت کیسے بھا گئی؟

ضیاء، مشرف ۔۔۔۔۔ قانون سازی میں فرق

اس مقام پر اس بات کی وضاحت بھی ناگزیر ہے۔ کہ جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ اور جنرل پرویز مشرف کی قانون سازی میں واضح اور نمایاں فرق موجود ہے جنرل ضیاء شہیدؒ نے اسلامی قانون سازی کے لیے وہ تمام قانونی تقاضے پورے کیے جو ضروری تھے۔۔۔۔۔۔ انہوں نے اس بارہ میں دینی وعصری قانون سازی کے ماہرین سے مشاورت کی۔۔۔۔۔۔ تمام مذہبی طبقات کو اعتماد میں لیا۔۔۔۔ اسلامی قانون سازی کی معاونت

کے لیے قائم کیے گئے سرکاری ادارہ "اسلامی نظریاتی کونسل" کی جملہ سفارشات پیش نظر رکھیں۔ حکومت اور اپوزیشن دونوں کو اعتماد میں لیا۔ لیکن اس کے برعکس جنرل پرویز مشرف نے حقوق نسواں بل کی منظوری کیلئے کوئی قانونی تقاضا پورا نہیں کیا۔ نہ مذہبی طبقات کو اعتماد میں لیا گیا۔۔۔ نہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو بنیاد بنایا گیا۔ بلکہ خالص آمرانہ طرز اختیار کرتے ہوئے اسلامی نظریاتی کونسل کے ارکان کو غیر قانونی طور پر ایوان صدر میں بلا کر انہیں جبری تائید پر مجبور کیا گیا جس کی وجہ سے متعدد ارکان نے اسے اپنی منصبی ہتک قرار دیتے ہوئے کونسل کی رکنیت سے استعفٰی دیدیا ان کا دعوٰی یہ تھا کہ اسلامی قانون سازی کی سفارشات مرتب کرنے کیلئے ایوان صدر نہیں بلکہ اسلامی نظریاتی کونسل کا اپنا ایوان وآفس موجود ہے۔ لیکن پاکستانی تاریخ کے سب سے بڑے ڈکٹیٹر جنرل پرویز مشرف نے صرف وردی کے زور پر ارکان اسمبلی سے بل پاس کروالیا۔ یہ بل حکومتی پارٹی پاکستان مسلم لیگ (ق) کے نزدیک بھی اسلامی حوالہ سے اتنا مشکوک ومشتبہ تھا کہ پارٹی سربراہ چوہدری شجاعت حسین نے بل کی منظوری کے ساتھ سپیکر کو پارلیمنٹ کی رکنیت سے بھی مشروط طور پر استعفٰی دیدیا کہ جب بھی اس بل کا غیر اسلامی ہونا ثابت ہوجائے تو مجھے اسمبلی رکنیت سے فارغ کردیا جائے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ اپنے موقف پر قائم نہ رہ سکے کیونکہ بل کے اسمبلی سے منظور ہونے کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر خالد مسعود نے بھی اپنے اخباری بیان وانٹرویو میں برملا اس بات کا اعلان کیا کہ حقوق نسواں بل کے اندر بعض دفعات سراسر غیر اسلامی ہیں لیکن اس کے باجود چوہدری شجاعت حسین نے اسمبلی رکنیت سے علیحدگی اختیار نہیں کی۔

ضیاء الحق، مشرف۔۔۔۔ پالیسیوں میں فرق

اس مقام پر ہم جنرل ضیاء شہیدؒ اور جنرل پرویز مشرف کی پالیسیوں کا جائزہ بھی لینا چاہیں گے۔ تاکہ ان کے درمیان فرق کے حوالہ سے ایاز امیر صاحب کی ذہنی وفکری پوزیشن کھل کر سامنے آجائے ایاز امیر صاحب کا دعوٰی ہے کہ جنرل ضیاء شہیدؒ کی پالیسیاں امریکی ڈالروں سے پروان چڑھیں۔ جب جنرل ضیاء نے حدود کے قوانین نافذ کیئے تو ریگن (اس وقت کے امریکی صدر) انتظامیہ نے خوب داد دی ہمارے لیے ایاز امیر صاحب کا یہ انکشاف دلچسپی اور حیرت سے خالی نہیں کہ جنرل ضیاء شہیدؒ کی اسلامی قوانین سے متعلق سیاسی پالیسیوں پر امریکی حکومت نے ڈالر بھی دیئے اور داد بھی۔ کیونکہ جو امریکی حکومت افغانستان اور عراق کے اندر خلافت اسلامیہ اور امارت اسلامیہ کے تصور کو گوارا نہیں کرتی۔ اور متعدد بار اپنے اس موقف کا اعادہ کرچکی ہے کہ عراق سے امریکی اتحادی افواج واپس بلانے سے وہاں قیام خلافت کا خطرہ ہے وہ امریکی حکومت جنرل ضیاء شہیدؒ کو اسلامی قوانین کے نفاذ پر ڈالر اور داد کیسے دے سکتی ہے؟

مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنرل پرویز مشرف کی پالیسیوں کے پروان چڑھنے کا ذریعہ کونسا تھا؟ یہ حقیقت کس سے پوشیدہ ہے کہ پرویز مشرف پالیسیوں کے پیچھے بھی امریکی ڈالر ہی اپنا کرشمہ دکھا رہے تھے اور اس ناقابل تردید حقیقت سے ایاز امیر بھی انکار کی جسارت نہیں کرسکیں گے۔۔۔ لیکن ہمیں ایاز امیر کے انکشاف پر حیرت اور امریکی حکومت کی حماقت پر تعجب ہورہا ہے کہ امریکی حکومت جنرل ضیاء شہیدؒ کو حدود قوانین بنانے پر داد اور ڈالر دے رہی ہے۔۔۔ اور جنرل پرویز مشرف کو حدود قوانین ختم کرکے حقوق نسواں بل لانے پر داد اور ڈالر فراہم کررہی ہے۔ خیر کسی باہوش وعقلمند آدمی کے حلق سے نیچے نہ اترنے والا یہ فلسفہ تو ایاز امیر صاحب ہی حل کرسکیں گے۔ البتہ ہم نے ان کے انمول وقیمتی انکشاف سے ایک حیرت انگیز نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جنرل ضیاء شہیدؒ نے (بقول ایاز امیر) امریکی ڈالر لیے اور بدلہ میں قوم کو اسلامی قوانین دیئے۔۔۔ جبکہ اس کے برعکس جنرل پرویز مشرف نے امریکی ڈالر لئے اور بدلہ میں اسلامی قانون سازی کے خلاف اسلام دشمن سیکولر لابیوں کو منظم کیا۔۔۔ امریکی ڈالر لئے اور سینکڑوں افغان مسلمان امریکہ کے حوالہ کیے۔۔۔ ہزاروں پاکستانی شہری امریکی حکومت کو فروخت کیئے، (سابق وزیر داخلہ آفتاب خان شیرپاؤ کا یہ بیان میڈیا میں ریکارڈ کے طور پر موجود ہے کہ چار ہزار پاکستانی شہری گرفتار کیئے گئے تھے جن میں سے دو ہزار امریکہ کے حوالے کیئے گئے)۔۔۔ امریکی ڈالر لئے اور بدلہ میں تمام تر اخلاقی، سفارتی، اسلامی، قانونی اور بین الاقوامی حدود

وحقوق اور قوانین کی برسرعام دھجیاں بکھیرتے ہوئے پاکستان میں متعین افغان سفیر ملا عبدالسلام ضعیف کو امریکی حکومت کے ہاتھ نیلام کر دیا۔ حالانکہ وہ عالمی قوانین کے تحت خود بھی ان کو سیاسی پناہ دے سکتے تھے۔ یا کسی دوسرے ملک سے ان کیلئے سیاسی پناہ حاصل کر سکتے تھے۔ امریکی ڈالر لئے اور بدلہ میں دختر قوم ڈاکٹر عافیہ صدیقی بچوں سمیت وحشی امریکی فوج کے حوالہ کر دی گئی۔

(افغان جنگ)

ــــــ اور ــــــ

دو جرنیلوں ـــ کا ـــ کردار

ایاز امیر صاحب نے افغان جنگ کے حوالہ سے بھی جنرل ضیاء شہیدؒ کو قومی مجرم ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ اس بارہ میں ایاز امیر صاحب کا دکھ اور غم ہم اچھی طرح محسوس کرتے ہیں کیونکہ اشتراکی و سیکولر قوتیں جس طرح سوویت یونین ٹوٹنے سے نیم جان ہو کر رہ گئی ہیں وہ دنیا سے مخفی نہیں اور چونکہ سوویت یونین کا شیرازہ بکھیرنے میں اہم اور بنیادی کردار جنرل ضیاء شہیدؒ کا ہے۔ اس لئے وہ ان اسلام دشمنوں کے نزدیک ناقابلِ معافی مجرم ہیں لیکن ہم افغان جنگ کے حوالہ سے حقیقت کے اصل خدوخال ضرور سامنے لانا چاہتے ہیں۔ ہر صاحب علم وفہم پاکستانی اس حقیقت سے واقف ہے کہ پاکستان گذشتہ تین دہائیوں (۱۹۷۹ تا ۲۰۱۰ء) کے اندر ۲، افغان جنگوں میں شامل و شریک رہا ہے ان دونوں جنگوں میں افغان مجاہدین دنیا کی دو سپر پاورز کے خلاف نبرد آزما رہے اور اب تک نبرد آزما ہیں۔

(پہلی افغان جنگ) سوویت یونین کے خلاف لڑی گئی۔ جو ۱۹۷۹ میں رشین آرمی کے افغانستان میں داخل ہونے سے شروع ہوئی اور ۱۹۹۲ تک جاری رہی۔ اس جنگ میں روسی افواج کو ذلت آمیز پسپائی اختیار کرتے ہوئے افغانستان سے نکلنا پڑا۔

(دوسری افغان جنگ) امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف تھی جو نائن الیون کے واقعہ کے بعد افغانستان پر امریکی حملوں سے شروع ہوئی اور تا حال جاری ہے یہ دونوں جنگیں دو سپر پاورز کی طرف سے افغانستان پر مسلط کی گئیں۔ اور افغان مجاہدین نے دونوں جنگیں ایک چیلنج سمجھتے ہوئے دفاعی حوالہ سے اپنی آزادی وخودمختاری کی حفاظت کیلئے لڑیں اتفاق سے دونوں جنگوں کا آغاز ایسے وقت میں ہوا جب پاکستان کے اندر فوجی حکومتیں قائم تھیں۔ لیکن اگر ان دونوں جنگوں کے حوالہ سے برسر اقتدار دونوں فوجی جرنیلوں کے کردار وعمل اور ان کی سیاسی وعسکری حکمت عملی کا جائزہ لیا جائے تو ہر ہوشمند پاکستانی باسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ ان میں سے کونسا جرنیل محبّ وطن تھا اور کون سا جرنیل ملک دشمن اور قوم دشمن تھا؟

پہلی افغان جنگ ــــ اور جنرل ضیاء شہیدؒ

۱۹۷۹ میں جب ۸۰ ہزار کے قریب مسلح رشین آرمی، جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہو کر افغانستان میں داخل ہوئی تو جہاں افغان مجاہدین اپنی آزادی وخودمختاری کے لیے میدان جہاد میں اتر آئے اور بے سروسامانی کے باوجود سپر پاور سے الجھ گئے وہاں پاکستان کی سیاسی وعسکری قیادت بھی چوکنی اور اس نے سنجیدگی سے اس صورت حال کا جائزہ لیا کہ افغانستان کے اندر رشین آرمی کی آمد کے عزائم ومقاصد کیا ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ پاکستان کے انٹیلی جنس اداروں کی خفیہ رپورٹس کے مطابق یہ بات واضح ہو گئی کہ افغانستان میں رشین آرمی کی آمد وداخلہ کثیر المقاصد پالیسی کا حصہ تھا جن میں بنیادی مقاصد چار تھے۔

(۱)۔ روس کی کمیونسٹ قیادت افغانستان پر عسکری غلبہ کے ذریعہ اپنی جغرافیائی حدود کو وسیع کرنا چاہتی تھی یعنی توسیع پسندی ووسعت پذیری کے جس جوش وجنون کا کھیل وہ وسط ایشائی ریاستوں میں کھیل چکی تھی وہی جبری قبضہ اور جبر وبربریت کا کھیل وہ افغانستان کے اندر کھیلنا چاہتی تھی۔

(۲) افغانستان پر جبری قبضہ کے ذریعہ وہ کمیونسٹ قیادت سوویت یونین کی ماتحت ریاستوں کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہتی تھی یعنی جس طرح اس کمیونسٹ قیادت نے تاجکستان، ازبکستان، کرغیزستان، ترکمانستان، آذربائیجان وغیرہ ریاستوں پر جبری قبضہ کر کے سوویت یونین کے نام سے ایک اشتراکی محاذ قائم کر لیا اسی طرح افغانستان پر قبضہ کر کے اپنی ایک ماتحت ریاست میں اضافہ کرنا چاہا۔ ظاہر ہے توسیع پسندی کا یہ

جوش وجنون اسی مقام پر ختم ہونے والا نہیں تھا بلکہ اس سے اگلے ممالک کو بھی یہی خطرہ لاحق تھا۔

(۳) وہ اشتراکی قیادت افغانستان پر قبضہ مکمل کرنے کے بعد پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے راستہ گرم پانیوں تک رسائی حاصل کرنا چاہتی تھی تاکہ بحر ہند کے اندر اپنے بحری بیڑے لاکر وہ پاکستان کی ناکہ بندی کرکے اس کے لیے مشکلات پیدا کر سکے۔

(۴) وہ اشتراکی قیادت اپنے دفاعی اتحادی ہندوستان سے مل کر پاکستان کا گھیرا تنگ کرنا چاہتی تھی یعنی اس کا پروگرام یہ تھا کہ پاکستان کے مشرقی بارڈر پر انڈین آرمی اور مغربی سرحدوں پر، رشین آرمی لاکر پاکستان کی عسکری قوت کو کمزور کرکے اسے دو بڑی اتحادی طاقتوں کے درمیان، دوطرفہ دفاع کرنے پر مجبور کردیا جائے اس سنگین وخطرناک صورت حال کی وجہ سے پاکستان کے پاس صرف 2، آپشن موجود تھے تیسرا کوئی راستہ نہیں تھا

(پہلا): یہ کہ اس افغان جنگ سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے اپنی شمال مغربی سرحدوں کو غیر محفوظ کرلیتا اور رشین آرمی کے پاکستان میں داخلہ اور گرم پانیوں تک اس کی رسائی کو آسان بنا دیتا ظاہر ہے اس صورت میں پاکستان کی نہ صرف سلامتی خطرہ میں پڑھ جاتی بلکہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام اور اس کا وجود بھی شدید قسم کے خطرات میں گھر جاتا۔

(دوسرا) یہ کہ اس افغان جنگ میں فوجی وعسکری مداخلت کئے بغیر افغان مجاہدین کی عسکری ومعاشی ضروریات کے ذریعہ سیاسی واخلاقی معاونت کرکے ان کی دفاعی قوت کو مضبوط ومستحکم کرتا اور ان کے ذریعہ رشین آرمی کا راستہ افغانستان میں ہی روک کر اس کی مزید پیش قدمی کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کرتا اس کے لئے ایک طویل المیعاد سرد جنگ کی پلاننگ وحکمت عملی تشکیل دینا ضروری وناگریز تھا تاکہ قومی سلامتی اور ملکی سرحدات کی حفاظت کو یقینی بنایا جا سکتا۔اس اعتبار سے یہ افغان جنگ بعض سیاسی مفادات کے تحت امریکہ، یورپین یونین اور دیگر مسلم وغیر مسلم ممالک کی طرف سے معاونت کے باوجود افغان مجاہدین کے لئے اپنی آزادی اور پاکستان کے لئے اپنی بقاء، سالمیت کی جنگ تھی۔لہٰذا اس وقت کی دانشور پاکستانی فوجی قیادت نے جنرل محمد ضیاء شہیدؒ کی قیادت میں اس افغان جنگ کے اندر شامل وشریک ہونے کا باقاعدہ فیصلہ کرلیا مجاہدین کی سول فورس تیار کی گئی ان کو عسکری تربیت دی گئی افغان مجاہدین کو جنگی سامان فراہم کیا گیا ان کی دیگر ضروریات پوری کی گئیں عالمی سطح پر انکی تحریک آزادی اور عسکری جدو جہد کو اجاگر کیا گیا پاکستانی سرحد انکی آمدورفت کے لیے کھول دی گئی اور وقت نے ثابت کردیا کہ اس فوجی قیادت کا یہ فیصلہ انتہائی دانشمندانہ تھا۔اس دانشمند ودانشور فوجی قیادت نے انتہائی حکمت عملی کے ساتھ ۱۴ سال تک یہ جنگ لڑی۔اس میں سوویت یونین کے خلاف فرنٹ لائن،افغان اتحادی کا کردار ادا کیا مسلم وغیر مسلم دنیا کو سوویت یونین کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔اور ایک کامیاب خارجہ پالیسی کے تحت ملکی بقاء اور قومی سالمیت کی جنگ افغانستان کے حدود میں لڑی ایک لحہ کے لیے بھی اس جنگ کو پاکستانی بارڈر کراس کرنے کا موقع نہیں دیا اور اس ۱۴ سالہ افغان جنگ میں سوویت یونین کا عبرت ناک انجام پوری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ضیاء شہیدؒ کا اعلان.........سقوط ڈھاکہ کا انتقام

پوری دنیا اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کو دولخت کرنے کی سازش وکوشش میں پسِ پردہ ہاتھ روس کا تھا اس وقت پاکستان امریکہ کا اور انڈیا روس کا اتحادی تھا۔جس میں رشیا نے اپنے اتحادی ہندوستان کے ساتھ ہر قسم کا بھرپور تعاون کیا۔جبکہ پاکستان کا دفاعی اتحادی امریکہ سمندر کے اندر بڑکیں مارتا رہا اور اسکی منافقت کی وجہ سے پاکستان دوٹکڑے ہوگیا جب روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہوئیں اور پاکستان نے اس جنگ میں حصہ لینے کا فیصلہ کرلیا تو اس وقت جنرل ضیاء شہیدؒ نے اپنے رفقاء کے سامنے اپنے اس جذبہ کا اظہار کیا کہ قدرت نے ہمیں سقوط ڈھاکہ کا انتقام لینے کا موقع دیا ہے۔پاکستان کو توڑنے میں بنیادی کردار سوویت یونین کا تھا۔اس لیے ہم سقوط ڈھاکہ کا انتقام افغان جنگ کے ذریعہ سوویت یونین کا شیرازہ بکھیر کرلیں گے۔اور اس کے بعد انشاء اللہ ہندوستان سے بھی اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے سقوط ڈھاکہ کا پورا پورا انتقام لیا جائے گا۔دنیا نے دیکھا کہ پہلے مقصد

میں وہ پوری طرح کامیاب رہے۔ اور سوویت یونین کا ڈھانچہ بکھرتا دنیا نے دیکھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مقبوضہ کشمیر کی عسکری قوتوں کو منظم کیا۔ اور مشرقی پنجاب کے اندر تحریک خالصتان میں جان پیدا کی حیدرآباد دکن، بمبئی اور کلکتہ کے مسلمانوں میں بیداری پیدا کی۔ اگر وقت نے انہیں مہلت دی ہوتی تو سوویت یونین کی طرح انڈیا کا بھی اب تک شیرازہ بکھر چکا ہوتا۔

دوسری افغان جنگ۔۔۔اور۔۔۔جنرل پرویز مشرف:

اس کے برعکس دوسری افغان جنگ نائن الیون کے بعد اس وقت شروع ہوئی جب امریکہ نے بغیر کسی ثبوت کے نائن الیون کے واقعہ کی ذمہ داری القاعدہ اور طالبان حکومت پر عائد کر کے افغانستان پر ملٹری اٹیک کر دیا اس وقت پاکستان میں جنرل پرویز مشرف جیسا فوجی حکمران برسراقتدار تھا یہ جنگ بھی ایک سپر پاور کی طرف سے افغانستان پر مسلط کی گئی اس جنگ میں بھی وہی عرب، افغان اور پاکستانی مجاہدین امریکی سپر پاور سے ٹکرائے جو مجاہدین سوویت یونین کی سپر پاوری کا غرور توڑ چکے تھے لیکن بدقسمتی سے اس جنگ کے دوران پاکستان کو جنرل ضیاء شہید جیسی دور اندیش اور دانشور فوجی قیادت میسر نہ تھی، جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ وقتی طور پر پلٹ گیا حقائق و شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکن آرمی کے بھی افغانستان پر حملہ کے 4 ہی مقاصد تھے۔

(۱) سوویت یونین کو دوبارہ منظم ہو کر ابھرنے سے روکنا۔

(۲) چائنہ جیسی ابھرتی ہوئی تیسری سپر پاور کا گھیراؤ کرنا۔

(۳) طالبان کی امارت شرعیہ" کا خاتمہ کرنا، کیونکہ یہ امارت اسلامیہ، امن کی بحالی، حقوق کی ادائیگی، اور انصاف کی فراہمی کے حوالہ سے دنیا کی اول نمبر حکومت کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ امریکہ جانتا تھا کہ امن و سلامتی کے حوالہ سے یہ منفرد و ممتاز حکومت پورے خطہ پر اپنے مثبت اثرات چھوڑ سکتی ہے۔ جسکی وجہ سے خطہ کے اندر یورپین و مغربی تہذیب و تمدن کا جنازہ نکل سکتا ہے۔

(۴) پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام تک رسائی حاصل کر کے یہاں کے "ایٹمی ہتھیاروں" کو چوری یا تباہ کرنا۔

اس اعتبار سے امریکی افواج کی افغانستان میں آمد پاکستانی سالمیت کے بھی منافی تھی۔ اور اب تک پاکستان کو اس سے شدید ترین خطرات موجود لاحق ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری اس وقت کی پرویز مشرف حکومت نے انتہائی بزدلی اور غیر دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے اس افغان جنگ میں طالبان کے خلاف حملہ آور سپر پاور کے فرنٹ لائن اتحادی کا کردار حاصل کر لیا۔ اور ان مجاہدین اسلام کے خلاف محاذ آرائی قائم کر لی جنہوں نے سوویت یونین کے خلاف پاکستان کی سالمیت و بقاء کی جنگ لڑی۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان مجاہدین کی مخالفت اس دشمن کے حق میں کی گئی جو ۱۹۶۵ اور ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگوں میں ان کو ٹھینگا دکھا چکا تھا۔ ہماری ناعاقبت اندیش فوجی قیادت جنرل پرویز مشرف نے اس خالص امریکی مفادات کی جنگ کو اپنی جنگ قرار دیکر پوری قوم اور پورے ملک کو اس جنگ کا ایندھن بنا ڈالا۔ ہماری قومی سلامتی ہم سے چھین لی گئی۔۔۔ ہمیں ملکی خودمختاری کے حق سے محروم کر دیا گیا۔۔۔ ملکی بقاء و سالمیت داؤ پر لگا دی گئی۔۔۔۔ پاکستانی عوام پر ڈرون حملے کرنے کے لیے امریکا کو کھلی چھٹی دے دی گئی۔۔۔ اسے فضائی اڈے فراہم کیے گئے۔۔۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ جنرل ضیاء شہیدؒ نے جس افغان جنگ کو پاکستان کی باؤنڈری لائن کراس نہیں کرنے دی۔ وہ افغان جنگ جنرل پرویز مشرف پاکستان کے حدود میں لے آیا۔ اور امریکی مفادات کی جنگ افغانستان کا بارڈر کراس کر کے پاکستان میں داخل ہو گئی اور نا اہل قیادت نے اسے اپنی جنگ قرار دیدیا۔

مشرف مبارکباد کا مستحق کیوں؟

ایاز امیر صاحب نے جنرل پرویز مشرف کو مبارکباد کا مستحق بھی قرار دیا ہے۔ حالانکہ سقوط ڈھاکہ کے بعد تاریخ پاکستان کا یہ سب سے شرمناک باب ہے کہ پاکستان کی فوجی حکومت نے امریکی ایماء پر پاکستانی شہریوں کے خلاف فوجی آپریشن شروع کیا۔ جس آپریشن پر تا حال (بارہ اکتوبر 2010ء) 45 ملین ڈالر خرچ ہو چکے ہیں امریکہ کی نیم سرکاری دہشت گرد تنظیم "بلیک واٹر" کو پاکستان میں داخلہ کی اجازت دی۔ جس نے پاکستان کے اندر دہشت گردی کا جال پھیلا دیا۔ اس کی

دہشت گردی سے پاکستان کے بازار، مساجد، مزارات، سکول یونیورسٹیاں غیر محفوظ ہو کر رہ گئیں۔

ایاز امیر صاحب وضاحت فرمائیں کہ ۔۔۔۔ کیا جنرل پرویز مشرف اس لیے مبارک باد کا مستحق ہے کہ وہ امریکی مفادات کی جنگ کو پاکستان میں لے آیا؟ کیا وہ اس لیے مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے امریکہ کو فوجی اڈے دیئے؟ کیا وہ اس لیے مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے امریکہ کو پاکستان پر ڈرون حملوں کی اجازت دی جو تا حال جاری ہیں اور جسے پارلیمنٹ کا ان کیمرہ اجلاس بھی نہیں روک سکا؟ کیا وہ اس لیے مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے افغانستان جیسی خالص اسلامی ریاست کے خلاف امریکہ کی طرف سے مسلط کردہ اس جنگ میں فرنٹ لائن اتحادی ہونے کا کردار ادا کیا جس جنگ کا جواز آج تک ثابت نہیں ہو سکا؟ کیا نائن الیون کے واقعہ میں امریکہ اور اس کے اتحادی آج تک القاعدہ اور طالبان کے ملوث ہونے کا کوئی ثبوت فراہم کر سکے؟ کیا پرویز مشرف امریکہ سے اس افغان جنگ کے جواز کا کوئی ثبوت حاصل کر سکا؟ کیا امریکہ القاعدہ اور طالبان کے خلاف عائد کردہ الزامات آج تک ثابت کر سکا؟ حالانکہ امریکی انٹیلی جنس ادارے، برطانوی خفیہ ایجنسیاں اور جاپانی پارلیمنٹ امریکی الزامات کو مسترد کر چکی ہیں اور برملا تسلیم کر چکی ہیں کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گان پر حملوں میں القاعدہ اور طالبان کے ملوث ہونے کا کوئی قطعی ٹھوس ثبوت حاصل نہیں ہو سکا۔ کیا وہ اس لیے مبارک باد کا مستحق ہے کہ وہ افغانستان پر امریکی قبضہ وغلبہ کا بنیادی کردار ہے؟ کیا وہ اس لیے مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس کی بے عقلی لاکھوں افغانی وعراقی مسلمانوں کے قتل کا سبب بنی؟ حالانکہ عراق پر جوہری مواد چھپانے کا جو الزام عائد کر کے حملہ کیا گیا وہ الزام بھی آج تک ثابت نہ ہو سکا۔ اور نہ وہ جوہری مواد تلاش کیا جا سکا؟ اور اس وقت کا امریکی صدر جارج بش اعتراف کر چکا ہے کہ ہم عراق سے ایٹمی مواد برآمد نہیں کر سکے۔ کیا وہ اس لیے مبارک باد کا مستحق ہے کہ وہ طالبان کی اس امارت شرعیہ کا قاتل ہے جس نے انتہائی قلیل مدت میں افغانستان کو دنیا کی سب سے پر امن ریاست بنا دیا؟ ان نا قابلِ تردید جرائم کے باوجود اگر ایاز امیر صاحب جنرل پرویز مشرف کو مبارک باد کا مستحق جانتے ہیں تو پھر ان کے عقل وفہم پر ماتم کے سوا کیا کیا جا سکتا ہے۔

کیا جہاد افغانستان ۔۔۔ کے ذریعہ ۔۔۔ شر پسندی پھیلی؟

ہم واضح کر چکے ہیں کہ سوویت یونین کے خلاف افغان جہاد، پاکستان کی بقاء وسالمیت کیلئے تھا۔ اور اس جہاد کے ذریعہ نہ صرف افغانستان کے اندر بلکہ پورے خطے کے اندر امن کی فضا قائم ہوئی۔ ہندوستان پر پاکستان کا رعب و دبدبہ طاری ہوا کیونکہ ہندوستان کی دفاعی اتحادی سوویت یونین اپنا وجود کھو چکی تھی۔ اور خود ہندوستان کے اندر بھی علیحدگی پسند تحریکوں کو جنرل ضیاء پوری طرح سپورٹ کر کے اندرونی طور پر کافی حد تک کھوکھلا کر چکا تھا۔ یعنی جو کھیل ہندستان نے مشرقی پاکستان کے اندر مکتی باہنی کے ذریعہ کھیلا تھا وہ کھیل جنرل ضیاء ہندوستان کے اندر شروع کر چکا تھا۔ تحریک آزادی کشمیر اور تحریک خالصتان پورے عروج پر تھیں جنرل ضیاء شہیدؒ جان چکے تھے کہ مسئلہ کشمیر کا حل ٹیبل ٹاک نہیں اور نہ اقوام متحدہ کی منظور شدہ قرارداد اس کا حل ہے اس کا حل صرف وہی ہے جو انڈیا نے مشرقی پاکستان میں اختیار کیا تھا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کے دور میں اگر تحریک خالصتان کی خالصہ قیادت اور اس کے نیٹ ورک کی فہرستیں انڈیا کو فراہم نہ کی جاتیں اور تحریک آزادی کشمیر کے بارہ میں ضیاء شہیدؒ کی خارجہ پالیسی تبدیل نہ کی جاتی تو اب تک کشمیر بھی آزاد ہو چکا ہوتا۔ اور دہلی ولاہور کے درمیان خالصتان کی ایک آزاد وخود مختار ریاست بھی حائل ہو چکی ہوتی۔ لیکن بدقسمتی سے جنرل مشرف کی احمقانہ وبزدلانہ پالیسیوں نے پورے خطہ کی سیاست کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا اور اس کی غیر دانشمندانہ خارجہ پالیسی کی وجہ سے پاکستان اندرونی وبیرونی طور پر کمزور و بے بس ہو کر رہ گیا۔ دنیا آج تک یہ نہ جان سکی کہ کارگل کا شیر ۔۔۔۔ افغانستان کا گیدڑ کیسے بن گیا؟ ایاز میر صاحب جہاد افغانستان کو شر پسندی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> جنرل ضیاء الحق نے جہاد کے جو بیج بوئے، وقت کے ساتھ تن آور درخت بن گئے۔ جنہیں کاٹنا مشکل ہو گیا، جبکہ ان سے پیدا ہونے والا شر پسندی کا زہر آج کسی کے لیے حیران کن نہیں ہے۔ افغانستان میں امریکہ کی

لڑی جانے والی جنگ کا آغاز اسی ضیاء دور میں ہوا

ایاز امیر صاحب اپنا ریکارڈ درست کریں کہ۔۔۔۔سوویت یونین کے خلاف جہاد افغانستان کے دوران اور اس کے بعد نہ صرف پاکستان بلکہ پورے خطہ کے اندر امن قائم تھا۔افغانستان کے اندر چند سال تک روس کی خفیہ ایجنسیوں نے انتقاماً افغان مجاہدین کے درمیان خانہ جنگی کی فضا قائم کی۔لیکن ۱۹۹۵ میں طالبان کی امارت شرعیہ قائم ہونے کے بعد خانہ جنگی کی وہ فضا بھی ختم ہوگئی۔۔۔اس کے بعد یہ بدامنی ودہشت گردی کا ماحول اس وقت پیدا ہوا۔۔۔۔جب جنرل پرویز مشرف نے مصطفیٰ کمال اتاترک بننے کے جوش وجنون میں اسلام اور پاکستانی مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔۔۔کیا ایاز امیر صاحب ان حقائق سے چشم پوشی کرکے خودفریبی میں مبتلا نہیں ہیں؟ انہیں حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلی افغان جنگ اور دوسری افغان جنگ میں فرق کرنا ہوگا۔پہلی افغان جنگ کے بعد امن اور دوسری افغان جنگ کے بعد دہشت گردی انہیں تسلیم کرنا ہوگی۔اور دوسرے نالائق جرنیل کی کرتوتوں کو پہلے دانشور جرنیل کی خوبیوں سے الگ کرنا ہوگا۔

کیا پہلی افغان جنگ۔۔۔امریکی مفادات کی جنگ تھی؟

سوویت یونین کی افغانستان جیسی تیسری دنیا کی ترقی پذیر ریاست کے ہاتھوں شکست وریخت، دنیا بھر کے کیمونسٹ اور سیکولر حلقوں کے لیے مرگ ناگہاں تھی۔وہ جس یونین کو اپنے خواب وخیال میں پھیلتا ہوا دیکھ رہے تھے۔وہ ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔اس کی ماتحت ریاستیں آزاد ہوچکی تھیں۔اس کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔اور اسی شیرازہ میں ان کی حسرتیں اور خواہشیں ریزہ ریزہ پڑی تھیں۔یہ ان کی بہت بڑی سبکی کا سامان تھا۔وہ شرم وندامت کے مارے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ تھے۔۔۔۔۔۔اچانک ماسکو اور دنیا بھر کے رشین سفارت خانوں سے ایک ہدایت نامہ جاری ہوا کہ روسی شکست کو افغان کامیابی کا نام دینے کی بجائے امریکی کامیابی قرار دیا جائے تاکہ سادہ لوح مسلمان اور عالمی سطح پر امریکہ دشمنی کا ذہن رکھنے والے لوگ ایک طرف تو اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجائیں کہ روس نے افغانستان کی کمزوری سلطنت سے شکست نہیں کھائی۔بلکہ اپنی برابری کی سپر پاور امریکہ کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہوا۔کیونکہ چھوٹے پہلوان کی نسبت برابری کی سطح کے پہلوان سے ہارنے میں سبکی کم محسوس ہوتی ہے۔اور دوسری طرف وہ مسلمان جو اس جنگ میں عملاً شریک نہ تھے، البتہ ان کی ہمدردیاں افغان مجاہدین کے ساتھ تھیں۔ان کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کردیئے جائیں کہ پاکستان اور افغان مجاہدین نے اپنی آزادی اور سلامتی کی جنگ نہیں لڑی بلکہ امریکی مفادات کی جنگ لڑی ہے۔ماسکو اور دنیا بھر کے رشین سفارت خانوں، سے جاری ہونے والی اس ڈپلومیٹک انفارمیشن اور پروپیگنڈہ سے ایاز امیر صاحب بھی بری طرح متاثر ہوئے اور انہوں نے صرف پہلی افغان جنگ کو ہی امریکی مفادات کی جنگ قرار نہیں دیا بلکہ موجودہ افغان جنگ کو بھی پہلی افغان جنگ کا تسلسل تسلیم کرانے پر تل گئے بدقسمتی کا عالم یہ ہے کہ ایاز امیر صاحب افغان جہاد کے بارے میں تمام تجزیے اور فیصلے اپنے گھر کے ٹی وی لاونج میں دیکھ کر ڈرائنگ روم میں سوچ کر اور سٹڈی روم میں بیٹھ کر تحریر کرتے ہیں۔کاش انہوں نے پہلے افغان جہاد کو محاذِ جنگ پر جاکر دیکھا ہوتا اپنی آنکھوں سے اس کا نظارہ ومشاہدہ کیا ہوتا اپنی نگاہوں سے مجاہدین پر نازل ہونے والی نصرت الٰہیہ کے مناظر دیکھے ہوتے بے سروسامانی کے باوجود ان مجاہدین کو رشین آرمی اور رشین ٹیکنالوجی کے سامنے دیوار سکندری بنے دیکھا ہوتا تو یقیناً ان کا تجزیہ مختلف ہوتا ایاز امیر صاحب اگر اپنے سیکولر ذہنیت کے خول سے باہر نکل کر نصرت الٰہیہ کے مفہوم کو سمجھ سکیں تو ہم انہیں اس افغان جنگ کے غیر جانبدارانہ مطالعہ کا مشورہ ضرور دیں گے۔جہاں انہیں یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہوجائے گی کہ امریکہ اس افغان جنگ میں اس وقت شامل وداخل ہوا جب افغان مجاہدین رشین آرمی کی پیش قدمی روک چکے تھے۔اور امریکہ ان کی ثابت قدمی کا مشاہدہ ہی نہیں یقین کرچکا تھا۔روسی افواج کی یلغار دم توڑ چکی تھی۔صرف اس کے فضائی حملے مجاہدین کیلئے خطرات اور نقصان کا باعث بن رہے تھے۔مجاہدین کو ان کے توڑ کی ضرورت تھی۔جو امریکہ سے "سٹنگر میزائل" کی صورت میں حاصل کیا گیا۔سوویت یونین کا ٹوٹنا یا اس کا کمزور ہونا بلاشک امریکی مفاد میں تھا۔لیکن امریکہ اپنا وہ مفاد جنرل

ضیاء شہیدؒ کی موجودگی میں حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا اپنے مفادات تک رسائی حاصل کرنے کیلئے اسے جنرل ضیاء شہید کو راستہ سے ہٹانا پڑا اور وہ سارا کام اس نے جنرل پرویز مشرف سے لیا اور اس کے ذریعہ نہ صرف میاں محمد نواز شریف کی جمہوری حکومت ختم کرائی بلکہ اسے اپنے مقاصد کی خاطر استعمال کرنے کیلئے جنرل عثمانی اور جنرل محمود جیسے محب وطن و اسلام پسند جرنیل بھی جبری ریٹائرمنٹ کے ذریعے فوج سے فارغ کر دیے۔ اس پوری بیک گراؤنڈ کے حوالہ سے یہ جنگ خالصتاً افغانستان کی آزادی اور پاکستان کی سلامتی کی جنگ تھی۔

دو سپر طاقتوں کے۔۔۔مقابل۔۔۔ایک لشکر جرار

یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ دونوں افغان جنگوں میں دو سپر طاقتوں (سوویت یونین اور امریکہ) کے خلاف مجاہدین اسلام کا ایک ہی لشکر جرار نظر آتا ہے۔۔۔۔وہی ملا عمر جو روس کے خلاف برسرپیکار تھا، آج امریکہ کے خلاف میدان جنگ میں ہے۔۔۔۔وہی اسامہ بن لادن، ایمن الظواہری انجینئر حکمت یار اور ملا جلال الدین حقانی جو روس کے خلاف میدان کارزار میں تھے آج امریکی یلغار کے سامنے سینہ سپر ہیں اور ایاز امیر صاحب کے لیے شاید یہ انکشاف حقیقت بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ وہ سیکولر اور اشتراکی طبقہ جو پہلے افغان جہاد کا مخالف تھا وہی طبقہ آج بھی طالبان کے خلاف قلم گھسائی کر رہا ہے یعنی دونوں طبقے اپنے اپنے فرائض تسلسل سے ادا کر رہے ہیں گویا

ان کو غرور حسن ہے مجھ کو سرور عشق
وہ بھی نشہ میں چور ہیں میں بھی پیے ہوئے

جداگانہ انتخابات ۔۔۔۔سے۔۔۔کیا فائدہ ہوا؟

ایاز امیر صاحب نے قادیانیت نوازی کا بھرپور کردار ادا کرتے ہوئے اس قانون کو بھی تختہ مشق بنا ڈالا جس کے ذریعہ مسلم و غیر مسلم کے حوالہ سے جداگانہ انتخابات کی بنیاد رکھی گئی جس طرح شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ شامل کیا گیا کہ یہ مسلمان ہے، عیسائی ہے، قادیانی ہے، یا ہندو وغیرہ اسی طرح انتخابی لسٹیں بھی مذہب کی بنیاد پر الگ الگ بنائی گئیں تاکہ اقلیتی مذاہب کے ووٹ الگ الگ ہو جائیں لیکن ایاز امیر صاحب کا کہنا ہے کہ کیا اس جداگانہ طرز انتخاب کے ذریعہ ہم بہتر ارکان اسمبلی منتخب کر سکے؟

ایاز امیر صاحب اگر محسوس نہ فرمائیں تو کیا وہ یہ وضاحت کرنا پسند کریں گے کہ جداگانہ طرز انتخاب ختم کر کے آپ ملک کو بہتر پارلیمنٹ فراہم کر سکے ہیں؟ بہتر اراکین اسمبلی منتخب کر سکے ہیں؟ کیا یہ پارلیمانی تاریخ کا شرمناک واقعہ نہیں ہے کہ پاکستان کی پارلیمنٹ میں کثیر تعداد ارکان اسمبلی کی جعلی ڈگریوں کے ساتھ ایک پورے پیریڈ سے گزر گئی البتہ دوسرے پیریڈ میں انکی جعل سازی پکڑی گئی؟ کیا ایاز امیر صاحب اس فلسفہ کے ذریعہ کہیں جداگانہ انتخابات کی آڑ میں مملکت خداداد پاکستان کے قیام کی جدوجہد کو فضول قرار دے کر قادیانیوں کا اکھنڈ بھارت والا خواب تو نہیں دیکھ رہے ہے کیونکہ وہ بھی جداگانہ انتخاب ہی تھا؟ کیا ایاز امیر صاحب اس سوال کا جواب دینا پسند کریں گے کہ اگر ان کے نزدیک جداگانہ انتخاب اقلیتوں سے زیادتی ہے تو کیا اقلیتوں کو دوہرے ووٹ کا حق دیدینا اکثریت کی حق تلفی نہیں ہے؟ وہ جنرل الیکشن میں بھی ووٹ کا حق استعمال کریں اور اقلیتی نمائندوں کے لئے بھی یعنی چکوال کا بوٹا مسیح ایاز امیر صاحب کو بھی ووٹ دے اور اپنے اقلیتی نمائندے پطرس مسیح کو بھی؟ کیا یہ طرز انتخاب اکثریت اور جمہور کے ساتھ زیادتی و ظلم تو شمار نہ ہوگا؟

جنرل ضیاء شہیدؒ۔۔۔۔کے۔۔۔۔مقاصد کیا تھے؟

ایاز امیر صاحب کا یہ کہنا بھی ہے کہ جنرل ضیاء شہیدؒ کی اسلامی قانون سازی کے پیچھے ان کے سیاسی مقاصد تھے سوال یہ ہے کہ کون سی ایسی قانون سازی ہے جس کے پیچھے قانون سازی کرنے والے کے عزائم مقاصد نہیں ہوتے؟۔۔۔۔کیا پرویز مشرف کی پالیسیوں کے پیچھے اس کے عزائم و مقاصد نہ تھے؟ کیا محترمہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ ڈیلنگ کے پیچھے پرویز مشرف کے سیاسی مقاصد نہ تھے؟۔۔۔۔کیا بے نظیر قتل کے پیچھے سیاسی عزائم و مقاصد نہ تھے؟ کیا آصف علی زرداری کے ساتھ ڈیلنگ کے پیچھے سیاسی عزائم و مقاصد نہ تھے؟ کیا این آر او جیسے اندھے، گونگے، بہرے قانون کے پیچھے پرویز مشرف کے سیاسی عزائم و مقاصد نہ تھے؟۔۔۔۔کیا حقوق نسواں بل جیسے حیا سوز قانون کے پیچھے پرویز مشرف کے سیاسی عزائم

نہ تھے؟ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک فوجی جرنیل کے سیاسی عزائم و مقاصد سے قوم، ملک اور اسلام کو فائدہ پہنچا جبکہ دوسرے فوجی جرنیل کے سیاسی عزائم و مقاصد قوم و ملک کے لئے وبال جان بن گئے ہمیں اس سے غرض نہیں کہ ان قوانین کے پیچھے جنرل ضیاء شہیدؒ کے مقاصد کیا تھے؟ انہوں نے یہ قوانین سیاسی مقاصد کے لئے بنائے؟ ---- اس کی پیچھے ملکی مصلحتیں کارفرما تھیں؟ ---- قومی مفاد پیش نظر تھا؟ ---- نظریہ پاکستان سامنے تھا؟ ---- اقتدار کی طوالت پیش نظر تھی؟ ---- کرسی کا استحکام مدنظر تھا؟ ---- یا ان کا عقیدہ ان اسلامی قوانین کا سبب بنا؟ ---- ہمیں صرف اس سے غرض ہے کہ اپنے ان عزائم و مقاصد کے تحت انہوں نے جو قوانین دیئے وہ قوانین اسلامی ہیں یا نہیں؟ ایاز امیر صاحب اپنے کالم میں تسلیم کرتے ہیں کہ جنرل ضیاء نے اسلامی قانون سازی حکومت سعودیہ کی خوشنودی و معاونت حاصل کرنے کے لئے کی۔ باقی رہا مسئلہ حکومت سعودیہ کی خوشنودی حاصل کرنے سے متعلق سابق پولیس آفیسر چوہدری سردار محمد کے بیان کی تصدیق و تکذیب کا تو ایاز امیر صاحب اس کے لئے اپنے قائد میاں محمد نواز شریف سے دریافت کرلیں کیونکہ اس وقت جنرل ضیاء شہیدؒ کی ناک کا سب سے بڑا بال میاں صاحب ہی تھے۔

﴿☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆﴾

(فصل سوم)

ایاز امیر کی پریشانی

قرارداد مقاصد ---- اور ---- اسلامی قانون سازی

☆..................☆

ایاز امیر صاحب کا فلسفہ اور ان کا طرز فکر آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اب ہم ان کی اس پریشانی کا جائزہ لینا چاہیں گے ---- جس پریشانی کا اظہار وہ میڈیا پر تو کر سکتے ہیں لیکن اسمبلی فورم پر نہیں؟ ---- وہ پریشانی جس کی وجہ سے وہ امید و یاس کی کیفیت میں رہتے ہیں؟ ---- جو ان کو کبھی خوف دلاتی ہے اور کبھی حوصلہ؟ ---- ان کے کالمز کی روشنی میں ہم ان کی پریشانی کی دو ہی وجوہات جان سکے ہیں یعنی ---- قرارداد مقاصد اور اسلامی قانون سازی ---- لہٰذا اس پر بھی روشنی ڈالنا ہم ضروری خیال کرتے ہیں۔

پاکستان اسلام کے لئے بنا..... لیکن اسلامی قوانین برے ہیں!

ایاز امیر صاحب اپنی تحریرات کے حوالہ سے پاکستان اور اسلام کے بارہ میں دو ذہنی کا شکار نظر آتے ہیں، وہ کسی بیرونی خوف کی وجہ سے اپنے کالم کے اندر اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے لیے بنایا گیا، اور کسی اندرونی تحریک کی وجہ سے وہ اس بات پر بھی بضد ہیں کہ ملک کے اندر جو چند اسلامی قوانین موجود ہیں وہ برے قوانین ہیں، ان کا خاتمہ بہت ضروری ہے اور مزید اسلامی قانون سازی کا راستہ بند کرنا بھی ناگزیر ہے۔ یہ ایک ناقابل فہم تضاد ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر اس کالم کی پیشانی پر ایاز امیر صاحب کا نام موجود نہ ہو تو یہ موقف بڑا احمقانہ سا معلوم ہوتا ہے یعنی پاکستان تو اچھا ہے، لیکن جس مقصد کے تحت یہ بنایا گیا وہ مقصد بہت ہی برا ہے۔ فضول ہے ---- بے کار ہے ---- بے فائدہ ہے..... غیر منطقی ہے..... اس پر سوچنا فضول..... اور اس کے لیے جدوجہد کرنا ملکی امیج کو خراب کرنا ہے۔ بلکہ وہ تو صاف اعلان کرتے ہیں کہ اس مقصد کے تحت قانون سازی کرنے والوں کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے۔

اسلامی ملک..... کیلئے..... اسلامی نظام غیر منطقی رویہ ہے!

چونکہ ایاز امیر صاحب نے اپنے فکر و فلسفہ اور اس کی روشنی میں اپنی تحقیقات کی بنیادی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھی ہے، اس لئے اس پر تعمیر ہونے والی پوری بلڈنگ ہی ٹیڑھی ہوتی چلی گئی۔ انہیں اپنی ذہنی ترجیحات یا سیکولر فلسفہ کے خلاف ہر چیز ہی غیر منطقی نظر آنے لگی۔ ان کا یہ قلمی فرمان ان کی ذہنی کیفیت کی کس حد تک عکاسی کرتا ہے؟ قارئین خود اندازہ کرلیں، وہ لکھتے ہیں کہ

> "یہ دلیل کہ ہم ایک اسلامی ملک سے تعلق رکھتے ہیں، جہاں نظام مختلف ہونا چاہیے، تو اس سے کوئی فائدہ نہیں، غیر منطقی رویوں میں ملوث ہونے کے متعلق یہ کوئی جواز نہیں کہ ہم اپنے آپ کو ایک اسلامی جمہوریہ کے باشندے کہہ سکیں۔"

ایاز امیر صاحب اپنے اس اشتراکی فرمان کے ذریعہ قوم کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ کسی ملک کے "اسلامی ملک" کہلانے کے لیے ضروری

نہیں کہ وہاں کا نظام بھی اسلامی ہو، غیر اسلامی نظام سے بھی گزارہ چل سکتا ہے، کیونکہ اس کے باوجود بھی وہ اسلامی ملک ہی کہلائے گا۔ اسلامی ملک کے لیے الگ اسلامی نظام کا مطالبہ وتقاضا کرنا بے فائدہ ہے۔ صرف نظام کی خاطر ساری دنیا سے کٹ جانا غیر منطقی رویہ ہے۔ محض اس شوق میں کہ "ہم ایک اسلامی جمہوریہ کی باشندے ہیں" ایسے غیر منطقی رویوں میں ملوث ہونے کا کوئی جواز نہیں۔ اور ایاز امیر صاحب اس حقیقت کو کم از کم اتنا تو جانتے اور مانتے ہوں گے کہ...... کوئی ملک سوشلسٹ نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہاں سوشلزم کا نظام نہ ہو...... کوئی ملک کیمونسٹ نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہاں کیمونزم کا نظام نہ ہو۔۔ کیا ایاز امیر صاحب کو یہ بات کچھ عجیب سی نہیں لگتی کہ...... چین اس لیے سوشلسٹ ملک ہے کہ وہاں سوشلزم کا نظام نافذ ہے...... روس اس لیے کیمونسٹ ملک ہے کہ وہاں کیمونزم کا نظام نافذ ہے...... لیکن پاکستان اس لیے اسلامی ملک ہے کہ یہاں اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کرنا غیر منطقی رویہ ہے؟

کیا قائداعظم ...... منافق تھے؟

ایاز امیر صاحب قائداعظم مرحوم کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ:

> "قیام پاکستان کے وقت 2 مختلف نظریات میں مسابقت چل رہی تھی، ایک قائداعظم کا سیکولرازم، دوسرے وہ اسلامی نعرے جنہوں نے تحریک پاکستان میں تیزی پیدا کی، سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے قائداعظم کے پاس ان نعروں پر انحصار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ آزاد ملک حاصل کرنے کے بعد اگرچہ ان نعروں کی ضرورت ختم ہوگئی تب ضرورت اس امر کی تھی کہ جدید جمہوری ری پبلک کی تشکیل پر توجہ مرکوز کی جائے۔ مگر ہم نے اس کے برعکس کیا۔"

غور فرمائیے کہ ایاز امیر صاحب نے اپنے لولے لنگڑے اپاہج، سیکولر فکر کو سپورٹ اور سہارا دینے کے لیے قائداعظم مرحوم کی شخصیت کو بھی منافقت کی آلودگیوں سے داغدار کر کے داؤ پر لگا دیا ہے...... کیا ایاز امیر صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قائداعظم مرحوم کی سیاست منافقت پر مبنی تھی؟...... انہوں نے کروڑوں مسلمانوں کی دینی شدت واسلامی جذباتیت کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے کیش کیا؟...... لاکھوں مسلمانوں کا لہو صرف ایک منافقانہ نعرہ کی خاطر ضائع کر دیا؟...... ہزاروں عفت مآب خواتین کی عزتیں صرف ایک سیاسی چال کی بھینٹ چڑھا دیں؟...... آخر وہ قائداعظم مرحوم کے بارہ میں...... قوم کو کیا میسج دینا چاہتے ہیں؟

نظریۂ پاکستان کے حامیوں کے لیے لمحۂ فکریہ!

ہمیں تو حیرت ہے ان قلمکاروں، ادبی دانشوروں اور الیکٹرانک میڈیا کے لیکچراروں پر جو خود کو بلاشرکت غیر نظریۂ پاکستان کا محافظ وٹھیکیدار جانتے ہیں جو تقسیم ہند کے سیاسی فارمولے سے اختلاف کرنے والے علماء کرام اور سیاسی مفکرین کو محض سیاسی ووقتی اختلاف کی بناء پر آج تک ناقابل معافی مجرم سمجھتے ہیں...... آج تک ان کی باسی کڑھی میں ابال اٹھ رہا ہے...... آج تک وہ "گڑھے مردے اکھاڑنا" اپنا قومی وملی فریضہ جانتے ہیں...... حالانکہ وہ اختلاف کا ایک "شارٹ پیریڈ" تھا جو گزر گیا اور تاریخ برصغیر سے گہری دلچسپی وواقفیت رکھنے والا ہر ذی شعور پاکستانی اس حقیقت سے باخبر ہے کہ تقسیم ہند کے وقت علماء کرام و مسلم سیاسی مفکرین دو کیمپوں میں بٹ گئے تھے...... مسلم دانشوروں کا ایک طبقہ وہ تھا جس کی نظر اسلامی ریاست کے قیام پر تھی، وہ ایک ایسی ریاست کا قیام ضروری خیال کرتے تھے جہاں مکمل اسلامی نظام کا نفاذ ہو۔ اور اس اسلامی ریاست کے ذریعہ اسلامی نظام کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جاسکے۔ یہ طبقہ تقسیم ہند کا قائل تھا اور یہی قیام پاکستان کے لیے متحرک تھا۔ چنانچہ مفکر پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبال مرحوم، قائداعظم مرحوم کے نام اپنے خط میں فرماتے ہیں کہ

> "اس ملک (ہندوستان) میں شریعت اسلامیہ کا نفاذ اور اس کا ارتقاء ایک یا ایک سے زائد مسلم مملکتوں کے قیام کے بغیر ممکن نہیں...... یہ ضروری ہے کہ ملک کو از سر نو تقسیم کیا جائے اور ایک یا ایک سے زائد ایسی مملکتیں قائم کی

جائیں جہاں مسلمانوں کی کامل اکثریت ہو۔" (اقبال اور علماء پاک و ہند ص ۵۱)

تقسیم ہند کے بارہ میں علامہ اقبال مرحوم کا یہ تصور ہی ظاہر کر رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کی دیگر اقوام سے علیحدگی صرف اور صرف شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے لیے چاہتے تھے۔ اور یہی تصور قائداعظم مرحوم نے دیا۔ وہ ۱۹۴۸ء کے خطبہ پشاور میں فرماتے ہیں کہ:

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا، بلکہ ہم ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔"

قائداعظم مرحوم کا یہ فرمان بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ تقسیم ہند کے فارمولے کو صرف اس لیے قبول کر رہے تھے تاکہ مسلم اکثریتی خطہ میں ایک ایسی ریاست قائم ہو جائے جس میں اسلام کا کامل و مکمل نظام نافذ ہو...... اس کے برعکس مسلم دانشوروں کا دوسرا طبقہ وہ تھا جس کے پیش نظر مسلمانان ہند کی وحدت تھی، وہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ تقسیم ہند سے مسلمان دو حصوں میں بٹ جائیں گے، ان کی افرادی و سیاسی قوت تقسیم ہو جائے گی، جغرافیائی طور پر تقسیم ہونے والے مسلمانوں کے درمیان "باؤنڈری لائن" حائل ہو جائے گی، جس کی وجہ سے ۲ بڑے نقصان رونما ہوں گے...... (پہلا) یہ کہ وہ دونوں بوقت ضرورت و مصیبت ایک دوسرے کے کام نہ آسکیں گے...... (دوسرا) یہ کہ ہندو اکثریتی ریاست میں رہ جانے والے مسلمان ہمیشہ کے لیے ہندوؤں کے رحم و کرم پر ہوں گے۔

اس اختلاف کو ۶۳ سال بیت چکے، قیام پاکستان کے بعد دو طرفہ قیادتوں نے یہ اختلافات اپنے ذہنوں سے نکال دیئے، حقائق تسلیم کیے گئے اور پاکستان و ہندوستان دو ریاستیں حقیقت بن کر سامنے آگئیں۔ وقت کی تیز رفتار آندھیاں بہت سی حقیقتوں کے نقاب الٹ چکیں...... ۶۳ خزائیں ایک بہار کے انتظار میں گزر گئیں...... اس اختلاف کے حوالہ سے کس طبقہ کا مؤقف صحیح اور کس کا نظریہ غلط ثابت ہوا؟ کس طبقہ کے خطرات و خدشات حقیقت اور کس کے عزائم و مقاصد افسانہ بن کر سامنے آئے؟ آج یہ سب بحثیں فضول سی معلوم ہوتی ہیں، کیونکہ اب یہ سب کچھ جاننے کے لیے تاریخی کتابوں کی ضرورت نہیں، بلکہ پورے خطہ کی سیاست کا منظر نامہ ہمارے سامنے کھلی کتاب کی طرح موجود ہے۔ پاکستان کے اندر اسلام اور ہندوستان کے اندر مسلمانوں کا جو حشر ہو رہا ہے وہ کس سے مخفی و پوشیدہ ہے؟

لیکن یہ حقیقت بہرحال تسلیم شدہ ہے کہ تقسیم ہند کے مسئلہ میں دونوں طبقے اپنے اپنے فکر و فہم کے مطابق ملی حقوق و مفادات کی حفاظت کے لیے ہی سرگرم عمل تھے، ان میں سے کسی کی نیت میں فتور نہ تھا، کسی کی رائے بدنیتی پر مبنی نہ تھی۔ البتہ پس پردہ ایک تیسرا فریق بھی متحرک تھا، اس کے اپنے مقاصد تھے، اپنے عزائم تھے، اس بدفطرت و بدخصلت طبقہ نے پاکستان کے اندر اپنا ایک الگ نیٹ ورک بنایا اور ایک منظم طریقہ سے تقسیم ہند کے سیاسی فارمولے سے اختلاف رکھنے والے اکابر اصحاب علم و فہم پر بدنیتی، خودغرضی اور ہندو نوازی کے شرمناک و خلاف حقیقت الزامات کی بھرمار کردی، جو آج تک جاری ہے۔ اور یہ الزامات صرف دو طبقوں کی طرف سے اٹھائے گئے...... (پہلا) طبقہ وہ جس نے فرنگی سیاست کی گود میں پرورش پائی اور فرنگی حکومت کے زیر سایہ پروان چڑھا...... (دوسرا) طبقہ وہ جو ماسکو کے ٹکڑوں پہ پل کر جوان ہوا اور وہیں اپنا ضمیر و ایمان گروی رکھ دیا۔ ان دونوں طبقوں نے اپنے عیوب و نقائص پر پردے ڈالنے کے لیے اور اپنے غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ہر وہ حربہ اختیار کیا جو غلامانہ ذہنیت کی مکمل عکاسی کرتا ہے اور ہر وہ خدمت سرانجام دی جس نے عہد غلامی کی یادیں تازہ کردیں۔

لیکن تاریخ آج ان الزام تراشوں اور تبرا بازوں سے سوال کرتی ہے کہ...... ۶۳ سال سے تمہارے بے باک قلم شیخ الاسلام سید حسین احمدؒ مدنی، پیکر فکر و دانش مولانا ابوالکلام آزادؒ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے اصحاب علم و تقویٰ اور مجاہدین حریت کے خلاف زہر اُگل رہے ہیں کہ وہ تقسیم ہند کے مخالف اور قائداعظم کے سیاسی مؤقف کو تسلیم نہ کرنے والے تھے...... حالانکہ یہی مجاہدین حریت ہیں، جن کی قربانیوں اور جدوجہد کے صدقہ برصغیر کو فرنگی غلامی سے نجات ملی؟ لیکن نظریہ پاکستان کے ان ٹھیکیداروں میں سے کوئی بھی ایسا باحمیت نہیں جو ان قلم فروشوں سے

پوچھ سکے، جوانہیں کے اپنے مملوکہ اخبارات کے اندر تقسیم ہند کے اصل فارمولہ (دوقومی نظریہ) کے بخیے ادھیڑ رہے ہیں؟......کوئی بھی ایسا باہمت نہیں جوان ضمیر فروشوں سے سوال کر سکے، جونظریہ پاکستان کو فقط "سیاسی ڈپلومیسی" قرار دے کر لاکھوں شہداء پاکستان کے مقدس لہو کا برملا مذاق اڑا رہے ہیں؟......کوئی ایسا باغیرت نہیں جوان ایمان فروشوں کا قلم پکڑ سکے جوقائداعظم مرحوم پر منافقت کا الزام عائد کر کے انہیں منافقانہ سیاست کا لیڈر قرار دے رہے ہیں؟......کسی میں اتنی جرأت نہیں جوان تاریخ فروشوں کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر ان کی زبان روک سکے جونظریہ پاکستان کی روح فنا کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہے ہیں؟...........اس مقام پر ہم ایاز امیر صاحب سے پوچھنا چاہیں گے کہ......تقسیم ہند کے اصل فارمولے کی بنیاد کیا تھی؟......دوقومی نظریہ کا مفہوم کیا تھا؟......مسلمانوں کو ایک قوم اور باقی تمام مذاہب (عیسائی، یہودی، ہندو، سکھ، پارسی وغیرہ) کو دوسری مستقل قوم قرار دے کر دنیا کو کیا تصور دیا گیا؟......وہ کون سی اساس ہے جو مسلمانوں کو دیگر تمام مذاہب سے ممتاز کرتی ہے؟...... زبان؟...... نسل؟...... تہذیب؟...... نظام؟......ظاہر ہے کہ ایاز امیر صاحب جیسا جرنلسٹ یہ دعویٰ تو کسی صورت نہیں کر سکتا کہ مسلمان کسی مخصوص زبان کی بنیاد پر دیگر مذاہب سے ممتاز ہیں، کیونکہ مسلمان دنیا کے ہر خطہ میں موجود ہیں اور اسی خطہ کی زبان بولتے ہیں......یقیناً وہ یہ دعویٰ بھی نہیں کر سکتے کہ مسلمان نسلی حوالہ سے ممتاز ہیں، کیونکہ دنیا کی تقریباً ہر نسل (چینی، روسی، ترکی، عرب، انگریز، فرنچ، اٹالین، جرمن، کورین، ہندی وغیرہ) کے اندر مسلمان موجود ہیں، لہٰذا اس اعتبار سے بھی ان کا دیگر مذاہب سے ممتاز ہونا خلاف حقیقت ہوگا...... باقی صرف نظام اور تہذیب رہ جاتی ہیں، لہٰذا یہی دو چیزیں مسلمانوں کو دیگر مذاہب سے ممتاز کرنے والی ہیں۔ اور ایاز امیر صاحب کو یہ حقیقت بہر حال تسلیم کرنا ہوگی چاہے مسکرا کر یا کندھے اچکا کر۔

تصور پاکستان......اقبال اور جناح......کی نظر میں!

ایاز امیر صاحب تو بغیر کسی ثبوت اور بغیر دلیل کے ایک شریر بچے کی طرح شرارت کر کے گزر گئے کہ جناح سیکولر تھا، اسلامی نعروں کو پسند نہیں گوارہ کرتا تھا، اور وہ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ ہی بنانا چاہتا تھا۔ پاکستان بنانے والوں کا اس بارہ میں کیا مؤقف تھا۔ اس کا سرسری تذکرہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال مرحوم تقسیم ہند کے فارمولے کو اس لیے پسند کرتے تھے تاکہ مسلم اکثریتی علاقوں میں اسلامی ریاست یا ریاستوں کا قیام عمل میں آجائے، جہاں شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہو سکے۔ شریعت اسلامیہ کا مفہوم اقبال مرحوم کی نظر میں کیا تھا، اس کی وضاحت وہ اپنے اسی مکتوب میں اس طرح فرماتے ہیں کہ:

> "اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن، سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے تو سوائے نظام اسلامی کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آسکتا......نبوت محمدیہ کی غایۃ الغایات یہ ہے کہ ایک ہیئت اجتماعیہ، انسانیہ قائم کی جائے، جس کی تشکیل اس قانون الٰہی کے تابع ہو جو نبوت محمدؐیہ کو بارگاہ الٰہی سے عطا ہوا تھا۔" (ایضا)

یعنی علامہ اقبال مرحوم کے نزدیک امن عالم کے لیے جہاں وحدت انسانی ضروری ہے وہاں اس وحدت انسانی کے لیے تعلیمات محمدؐیہ پر اجماع واتفاق بھی ناگزیر ہے، جس کے بغیر اقوام عالم کے درمیان وحدت کا پیدا ہونا ممکن ہی نہیں، ایاز امیر صاحب کو مفکر پاکستان کا مذکورہ نکتۂ نظر گہری سنجیدگی سے ملاحظہ کرنا چاہیے اور علامہ مرحوم کا یہ نکتہ نظر اس اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ قائداعظم مرحوم کے نام مکتوب میں مذکور ہے۔ مفکر پاکستان کی اسی فکر کو بانی پاکستان لیکر آگے بڑھے۔ ان کا قول گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ وہ پاکستان کو اسلامی اصولوں کے عملی نفاذ کی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے، تاکہ اس تجربہ کے ذریعہ وہ اسلام کی عملی صورت کو دنیا سے منوا سکیں اور اسلامی نظام کا نقشہ ان کے ذہن میں کیا تھا، اس کے بارہ میں وہ اپنے ۱۹۴۵ء کے پیغام عید کے اندر اس طرح فرماتے ہیں کہ:

> "ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض

عبادات واخلاقیات تک محدود نہیں، بلکہ قرآن کریم سب مسلمانوں کا دین اور قانون حیات ہے، یعنی مذہبی، معاشرتی، تمدنی، تجارتی، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔"

ایاز امیر صاحب کو قائداعظم مرحوم کا یہ "پیغام عید" بغور اور باہوش وحواس پڑھنا چاہیے کہ قائداعظم مرحوم اسلامی نعروں کو سیاسی مصلحت کے تحت گوارا کرتے تھے یا اسلامی نظام کو عالمی وملی ضرورت کے تحت پسند کرتے تھے؟ اور پھر قائداعظم مرحوم کا یہ نکتہ نظر صرف قیام پاکستان سے قبل نہ تھا، بلکہ قیام پاکستان کے بعد بھی ان کا نکتہ نظر یہی تھا۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء کے خطبہ کراچی میں فرمایا کہ:

"میں ان لوگوں کی بات کو نہیں سمجھ سکتا جو دیدہ ودانستہ اور شرارت سے یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل اطلاق ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔"

ایاز امیر صاحب قائداعظم مرحوم کے اس فرمان کی روشنی میں اپنے طرز فکر اور نکتۂ نظر کا جائزہ لیں کہ قائداعظم مرحوم اسلامی نظام کی ضرورت واہمیت کا انکار کرنے والے اور اسلامی اصولوں کو عصر حاضر کی انسانی سوسائٹی کے لیے ناقابل اطلاق قرار دینے والوں کے پراپیگنڈہ کو دیدہ دلیری اور شرارت قرار دے رہے ہیں۔ ایاز امیر صاحب بحیثیت جرنلسٹ اس بات کا کھوج ضرور لگائیں کہ یہ "دیدہ دلیری" و "شرارت" کون کر رہے تھے؟ اور کون کر رہے ہیں؟ کہیں قائداعظم مرحوم کا اشارہ ان لوگوں کی طرف تو نہیں جو ان کو سیکولر قرار دے کر پاکستان کے اندر اسلامی دستور کے نفاذ کی نفی اور اس کی ضرورت سے انکار کر رہے ہیں؟ اور یہ "شرارت ودیدہ دلیری" اس حد تک آگے بڑھ گئی ہے کہ قائد مرحوم کو بھی ایک "منافق لیڈر" ثابت کرنے پر تلی بیٹھی ہے۔ ایاز امیر صاحب غور فرمالیں کہ اگر قائداعظم مرحوم ان کی نظر میں منافق ہیں تو وہ قائداعظم مرحوم کی نظر میں کیا ہیں؟ ایاز امیر صاحب کو ہم قائداعظم مرحوم کے ایک اور فرمان سے آگاہ کرنا چاہیں گے جو اس اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اسمیں انہوں نے اسلامی نظام کی وسعتِ حدود شاندار وجاندار انداز میں بیان کردی ہے۔ چنانچہ گاندھی کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:

"قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے، اسمیں مذہبی ومجلسی، دیوانی وفوجداری، عسکری وتعزیری، اور معاشی ومعاشرتی غرضیکہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ کے امور حیات تک روح کی نجات سے لیکر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لیکر فرد کے حقوق وفرائض تک، اخلاق سے لیکر انسداد جرائم تک، زندگی میں جزا وسزا سے لیکر عقبیٰ کی جزا وسزا تک ہر ایک فعل، قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو حیات وما بعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں۔"

ایاز امیر صاحب غور فرمائیں کہ بانی پاکستان کے اس فرمان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ قرآنی ضابطہ حیات کے اصولوں کی بنیاد پر ہی مسلمانوں کو ایک مستقل قوم تسلیم کرتے ہیں، اور اسی بنیاد پر انہوں نے مسلمانوں کے لیے علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیا۔ امید ہے کہ ایاز امیر صاحب کا فہم وشعور اب اس حقیقت کا بخوبی ادراک کر چکا ہوگا کہ......(۱) مفکر پاکستان اور بانی پاکستان کا تصور پاکستان ایک ہی تھا......(۲) اسکی بنیاد قرآنی ضابطۂ حیات پر تھی......(۳) قرآنی ضابطۂ حیات دنیوی زندگی اور اُخروی حیات کے تمام امور اور شعبوں پر مشتمل مجموعہ ہے......(۴) وہ آج بھی اسی طرح قابل اطلاق ہے جیسے عہد نبوی وخلافت راشدہ میں قابل اطلاق تھا......(۵) یہی ضابطۂ حیات مسلم قوم کو باقی اقوام سے ممتاز کرتا ہے......(۶) اس ضابطۂ حیات کی موجودگی میں مسلمان کسی "ازم" کے محتاج نہیں ہیں......(۷) جو مسلمانوں کو اس ضابطۂ حیات سے گمراہ کر کے کسی اور نظام کی طرف لے جانا چاہتے ہیں وہ شریر ہیں، شرارت کر رہے ہے

ہیں...... (۸) اسی ضابطۂ حیات کے نفاذ کے لیے الگ مملکت کا مطالبہ کیا گیا...... (۹) یہی ضابطۂ حیات پاکستان میں نافذ ہوگا اور یہی ان کا "پیغام عید" ہے۔ روزنامہ ایمان لاہور کی 28 فروری 1947 کی اشاعت میں قائداعظم مرحوم کے خطبہ احمد آباد کے حوالہ سے مذکور ہے کہ قائداعظم نے فرمایا

"اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں پر جو گزرتی ہے گزر جانے دو لیکن آؤ ہم اپنے ان بھائیوں کو آزاد کروادیں جو اکثریت کے صوبوں میں ہیں۔ تاکہ ہم شریعت اسلامی کے مطابق وہاں آزاد حکومت قائم کر سکیں۔

ایاز امیر صاحب ہندوستان کے مسلم اقلیتی صوبوں میں ساڑھے تین کروڑ سے زائد مسلمانوں کو کس مقصد کے تحت ہندوؤں کے رحم کرم پر چھوڑ کر آئے؟ ۔۔۔۔صرف مشرقی پنجاب میں دس لاکھ سے زائد مسلمان آخر کس جرم میں شہید کیے گئے؟ ۔۔۔۔۔۔ ساٹھ ہزار سے زائد مسلم خواتین کی عصمت دری ان کے کس جرم کی سزا تھی؟ ۔۔۔۔۔ قائداعظم مرحوم نے تو واضح کر دیا کہ ہم یہ اتنی بڑی قربانی صرف اور صرف اسلامک سٹیٹ کے قیام کے لیے دے رہے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ یہ ضابطۂ حیات پاکستان میں نافذ ہوسکا یا نہیں؟...... اگر نہیں ہوسکا تو اس کے اسباب وعلل کیا تھے اور کیا ہیں؟...... یہ بات بہر حال واضح ہے کہ قائداعظم مرحوم کے پیش نظر پاکستان کے اندر اسلامی نظام کا نفاذ ہی تھا، ایاز امیر صاحب کا یہ کہنا کہ قائداعظم سیکولر تھے اور انہوں نے مذہبی نعروں کو سیاسی مقاصد کے لیے گوارہ کیا۔ قائداعظم مرحوم کے بقول "نری شرارت" ہے اور کسی جرنلسٹ، پارلیمنٹیرین، اور سیاسی دانشوار کو ایسی شرارتیں زیب نہیں دیتیں۔

یوٹرن علماء نے لیا...... یا...... سیاسی پنڈتوں نے؟

ہر سیکولر کی طرح ایاز امیر بھی اپنے کمزور و بے بنیاد فکر کو بچانے اور اس کی اشاعت کرنے کے لیے کذب واختراع کا سہارا لینے کے عادی ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"تحریک پاکستان کی مخالفت اور قائداعظم پر کڑی تنقید کرنے والے علماء کرام نے 47ء کے بعد ایک فقید المثال یوٹرن لیا۔ وہ اچانک ہی نظریہ پاکستان کے نگران بن گئے۔ وہ جنہیں بدفطرت قرار دینے کی ضرورت تھی، وہ پاکستان نام کے اس مندر کے سب سے بڑے پیشوا بن گئے، یہ رتبہ حاصل کرنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ تحریک پاکستان کے سیکولر رہنما جنہیں قائداعظم کے ورثے کی دعوے داری کرتے ہوئے جرات کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا، مذہب کی اس آندھی میں خس وخاشاک کی طرح اڑ گئے۔"

ایاز امیر صاحب کو اپنی سیکولر قیادت سے شکوہ ہے کہ اس نے جرأت کا مظاہرہ نہیں کیا اور بزدلی دکھائی، جس کی وجہ سے وہ مذہب کی آندھی میں خس وخاشاک کی طرح اڑ گئے۔ ایاز امیر صاحب کا شکوہ بالکل بجا ہے، لیکن انہیں اپنی سیکولر قیادت کو سرخ سرخ آنکھیں دکھانے کی بجائے تاریخ برصغیر کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ انہیں یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہوجائے گی کہ ان کی قیادت تو سدا سے بزدل رہی ہے، یہ بزدل وخود غرض نہ ہوتی تو فرنگی سامراج برصغیر میں دوسو سال تک ہندوستانی قوم کو غلام بنائے رکھنے میں کامیاب نہ ہوتا، یہ تو خدا بھلا کرے علماء کرام کا کہ وہ فرنگی اقتدار کی راہ میں رکاوٹ بن گئے...... بے سروسامانی کی حالت میں "برٹش امپائر" سے الجھ گئے، ٹکرا گئے، جیلیں برداشت کیں، پھانسی کے پھندوں پر جھولے، جلاوطنیاں کاٹیں اور فرنگی سامراج اس برصغیر سے بوریا لپیٹنے پر مجبور ہوا، ورنہ ایاز امیر صاحب کی سیکولر قیادت تو قوم بیچ کے جاگیریں خرید چکی تھی، ان جی حضوریوں کے اندر جرأت و ہمت کیسے آسکتی تھی؟...... یہ جرأت وہمت تو علماء کرام کا شیوہ ہے، یہ انہی کا زیور ہے۔ لیکن ایاز امیر صاحب کو بالکل مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ان کی سیکولر قیادت بھی جرأت کا مظاہرہ کرسکتی ہے، بشرطیکہ وردی اس کے بدن پر ہو...... فوج اس کے کنٹرول میں ہو...... ایوان صدر میں اس کا بسیرا ہو...... ریاستی اختیارات اس کے ہاتھ میں ہوں...... لیکن صرف بڑھکوں

کی حد تک...... لال مسجد کی سینکڑوں بچیوں کی بے رحمانہ قتل وغارت کی حد تک...... میز پر مکے مارنے کی حد تک...... اور پھر سیاسی ڈیٹنگ کے ذریعہ ملک سے فرار ہوجانے کی حد تک...... ایاز امیر صاحب اپنی بزدل قیادت کا غصہ علماء کرام پر نہ نکالیں، وہ قائداعظم مرحوم کے فرامین دوبارہ پڑھ لیں، انہیں معلوم ہوجائے گا کہ...... یوٹرن علماء کرام نے لیا یا قائداعظم مرحوم سے بے وفائی کرنے والے سیاسی پنڈتوں نے؟...... وہ سیاسی پنڈت جو نظریۂ پاکستان گم کر بیٹھے۔ علماء تو آج تک اپنے مؤقف پر قائم ہیں کہ پاکستان اسلام کے لیے بنایا گیا تھا اور یہاں اسلام ہی کا قانون ہوگا۔

کیا اسلام کا مطالبہ کرنے والے پاکستان کے مخالف تھے؟

ایاز امیر صاحب جیسے لوگ جب دلائل اور زمینی حقائق کا سامنا نہیں کر پاتے تو اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آتے ہیں، ایاز امیر صاحب نے بھی وہی بے ہودہ فرسودہ طریقہ اختیار کیا، ان کا کہنا ہے کہ جو علماء نظریۂ پاکستان کے نگران بنے اور جنہوں نے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کیا وہ پاکستان کے مخالف تھے اور قائداعظم پر کڑی تنقید کرنے والے تھے۔ ہم ایاز امیر صاحب کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ تاریخ پاکستان کا مطالعہ کرنے کی تھوڑی سی زحمت اگر گوارہ کرلیں تو انہیں معلوم ہوجائے گا کہ ملک کے اندر اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے علماء میں...... حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (جن سے قائداعظم مرحوم نے مغربی پاکستان کے اندر پاکستانی پرچم کی پرچم کشائی کروائی تھی)...... علامہ سید سلیمان ندویؒ...... علامہ ظفر احمد عثمانیؒ (جن سے قائداعظم مرحوم نے مشرقی پاکستان میں پاکستانی پرچم کی پرچم کشائی کرائی تھی)...... مولانا مفتی محمد شفیعؒ...... مولانا احتشام الحق تھانویؒ...... مولانا خیر محمد جالندھریؒ...... مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ...... مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ...... مولانا رسول خان ہزارویؒ...... مولانا محمد مالک کاندھلویؒ...... مولانا محمد اسحٰق مانسہرویؒ...... مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ...... مولانا بدر عالم میرٹھیؒ...... ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ...... مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ...... مولانا فقیر محمد پشاوریؒ...... ڈاکٹر حفیظ اللہ سکھرویؒ...... مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ...... مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ...... مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ...... پیر امین الحسنات مانکی شریفؒ...... پیر صاحب زکوڑی شریفؒ...... مولانا پیر غلام محی الدین گولڑویؒ...... مولانا خواجہ قمر الدین سیالویؒ...... اور مولانا غلام محمد گھوٹویؒ وغیرہم...... جیسے ہزاروں اکابر علماء ومشائخ شامل رہے، اور ان میں سے کوئی بھی تحریک قیام پاکستان کا مخالف نہ تھا۔ یہ تمام اکابر علماء تحریک پاکستان میں قائداعظم مرحوم کے ساتھ شامل وشریک رہے، وہ اور ان کے اور لاکھوں مریدین وتلامذہ اور متعلقین ومتوسلین کے نفاذ اسلامی کے مطالبہ کی حمایت تو کیجیے جو پاکستان کے حامی تھے۔ لیکن ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایاز امیر صاحب ان علماء ومشائخ کے مطالبہ کی کبھی تائید نہیں کریں گے، کیونکہ ان کے فکر وفلسفہ کی بنیاد نہ تو حقیقت شناسی پر ہے اور نہ حق پرستی پر، بلکہ ان کے پورے فکر وفلسفہ کا قلعہ جھوٹ، مکر وفریب اور دھوکہ کی اساس پر کھڑا ہے، جسے وہ سیاسی مصلحت کا نام دیتے ہیں، جس کے ذریعہ وہ نظام اسلامی کی مخالفت اور علماء ومشائخ کو بدنام کررہے ہیں۔ تاکہ وہ عوام کو علماء سے بدظن اور اسلام سے گمراہ کرسکیں۔ خدا تعالیٰ انہیں فہم سلیم بخشے۔ آمین

علماء بدفطرت...... یا...... ایاز امیر کمینہ؟

ایاز امیر صاحب نے اپنے کالم کے اندر "علماء دشمنی" کے پرجوش وپرتشدد جذبہ کے تحت اپنی منصبی حیثیت سے بہت نیچے گر کر اور اپنی ذہنی پستی کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے ملک کے اندر نظام اسلامی کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے علماء کرام کے بارہ میں ایک مکروہ جملہ لکھا ہے کہ...... "ان علماء کو بدفطرت قرار دینے کی ضرورت تھی"...... محترم ایاز امیر صاحب! چلیے کسی اور نے نہ سہی آپ نے خود تو اپنی یہ خواہش پوری کرکے را نجھا راضی کرلیا...... ممکن ہے دل بھی پشاوری کرلیا ہو...... لیکن اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے آپ کو خود "کمینہ خصلت" بننا پڑا، ہم آپ کو آئینہ دکھانا چاہیں گے، تاکہ آپ اسے دیکھ کر خود ہی اندازہ کرسکیں کہ...... علماء بدفطرت ہیں...... یا...... ایاز امیر کمینہ؟

(دلیل اول)

آپ نے علماء کرام پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ وہ قائداعظم پر کڑی تنقید کرنے والے تھے...... اگر ان علماء کرام اور سیاسی دانشوروں کی دیانتدارانہ رائے قائداعظم مرحوم کے خلاف تھی تو اختلاف رائے کا اظہار ان کا جمہوری حق تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ ان علماء نے قائداعظم سے اختلاف ان کی زندگی میں اور ان کے سامنے کیا، ان پر تنقید کی تو ان کی زندگی میں ان کے سامنے کی، اگر ان کا یہ اختلاف رائے آپ کے نزدیک ان کی بدفطرتی کی دلیل ہے؟ تو ہم ایاز امیر صاحب سے درخواست کریں گے کہ اپنے شہر چکوال میں اپنے گھر کے اندر اپنے سٹڈی روم میں اپنے وجود کے اندر ایک دوسرے ایاز امیر کو بھی تلاش کیجیے! جو بڑا گستاخ و شریر ہوتا جا رہا ہے، اس کی جسارتیں اور شرارتیں بڑھتی جا رہی ہیں، وہ قائداعظم کو منافق قرار دینے پر تلا بیٹھا ہے۔

(دلیل دوم)

ایاز امیر صاحب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے سیاسی حوالہ سے قائداعظم مرحوم کے سیاسی مؤقف کی مخالفت کی تھی، انہوں نے تو انتخابات کے بعد پاکستان کو ایک حقیقت کی طرح قبول کیا، اس کی ترقی و استحکام کی خاطر ہر قسم کی قربانی دی، اس کی تعمیر کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ اور یہ ان کی عظمت کی دلیل ہے، مسلمانوں نے ووٹ مسلم لیگ کو دئے، انہوں نے رزلٹ تسلیم کیا، دھاندلی کا الزام عائد کر کے ووٹوں کی دوبارہ گنتی کا مطالبہ نہیں کیا، شاید اس لیے کہ انہیں معلوم ہو گیا ہو کہ چکوال کا ایک امیدوار ووٹوں کی دوبارہ گنتی کا مطالبہ کرے گا تو اس گنتی میں ۴۳ ووٹ اور کم ہو جائیں گے...... ایاز امیر صاحب سے سوال ہے کہ الیکشن کے رزلٹ کو قبول کر کے جناح مرحوم کو کامیابی کی مبارک باد دے کر پاکستان کو قبول کرنے والے اگر بدفطرت کہلانے کے مستحق ہیں تو ان کے اعتراف شکست کر لینے اور پاکستان کی تعمیر و ترقی کے لیے جانیں کھپا دینے کے باوجود ان کی نیتوں میں شبہ کرنے والا کمینہ نہیں تو کیا ہے؟

(دلیل سوم)

ایاز امیر صاحب سے ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جو لوگ قائداعظم کے سیاسی مؤقف سے اختلاف رکھنے والے تھے وہ بقول آپ کے ٹھہرے بدباطن، لیکن جو لوگ قائداعظم کے نظریہ پاکستان کو تار تار کرنے کی کوشش کریں وہ کیا ہیں؟...... یعنی ایک طرف پاکستان تھا اور دوسری طرف اسکا مقصد یعنی نظام اسلامی کا نفاذ...... ایاز امیر صاحب ذرا سوچ کر بتائیں کہ پاکستان کی (قبل از تقسیم) مخالفت کرنے والا بدفطرت ہے؟ یا اس کے بنیادی مقاصد سے روگردانی و بغاوت کرنے والا کمینہ؟

(دلیل چہارم)

ایاز امیر صاحب کا شوقِ اختلاف بھی عجیب ہے اور ذوق انتخاب بھی، وہ ان لوگوں کے خلاف تو لٹھ لیے کھڑے ہیں جنہوں نے اختلاف کیا، لیکن الیکشن کے بعد بصدق دل اسے قبول کر لیا، اور جس قادیانی امت نے پہلے دن سے پاکستان کی مخالفت کی، گورداسپور کے تمام قادیانیوں نے کانگرس کو ووٹ دیا۔ جس کی وجہ سے یہ مسئلہ کشمیر آج تک لٹکا ہوا ہے...... جو آج بھی اکھنڈ بھارت کا خواب دیکھ رہے ہیں...... وہ آج بھی متحدہ ہندوستان پر قادیان کی حکمرانی کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں، ان کے ہزاروں پاکستانی باشندے اسرائیل سے فوجی کمانڈو اور انٹیلی جنس تربیت حاصل کر چکے ہیں، اور ایک اخباری رپورٹ کے مطابق چار ماہ قبل بھی 600، پاکستانی قادیانی اسرائیل سے فوجی تربیت حاصل کر کے آئے ہیں...... لیکن ایاز امیر صاحب ان کی وکالت و ترجمانی کر رہے ہیں...... اگر آپ کا یہ طرز و مؤقف شعوری ہے تو پھر اسے قادیانیت نوازی کیوں قرار نہیں دیا جا سکتا؟

پاکستان...... مسجد یا مندر؟

علماء دشمنی کے شوق میں ایاز امیر صاحب پاکستان دشمنی کی بھی حدیں پھلانگ گئے ہیں، چنانچہ وہ اپنے کالم میں لکھتے ہیں کہ...... وہ بدفطرت علماء پاکستان نام کے اس مندر کے سب سے بڑے پیشوا بن گئے...... ایاز امیر صاحب! جنہیں آپ بدفطرت قرار

دے رہے ہیں ان کی ذہنی پاکیزگیوں اور اپنے خبث باطن کا فرق اسی سے معلوم کرلیں کہ وہ پاکستان کو مسجد قرار دیتے ہیں اور آپ مندر...... قیام پاکستان کے بعد جب مولانا سید حسین احمدؒ مدنی سے پاکستان کے بارہ میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ پاکستان کی حیثیت مسجد کی سی ہے، جس کے بننے سے پہلے اختلاف ہوسکتا ہے، کہ اس جگہ بنے یا کسی دوسری جگہ، لیکن بن جانے اور تعمیر ہوجانے کے بعد وہ بہرحال مسجد ہے، جس کی حفاظت ہر مسلمان کا فریضہ ہے...... ایاز امیر صاحب بتایئے! وہ بدفطرت ہے جو پاکستان کو مسجد سمجھتا ہے؟...... یا وہ کمینہ ہے جو پاکستان کو مندر قرار دیتا ہے؟

مصلحت...... یا...... بزدلی؟

ایاز امیر صاحب نے اپنی سیکولر قیادت کو بزدلی کا طعنہ دیتے ہوئے خوب غم وغصہ کا اظہار کیا ہے کہ اس نے قیام پاکستان کے بعد جرأت کا مظاہرہ نہیں کیا، اگر وہ جرأت کا مظاہرہ کرتی تو قائد اعظم کے سیکولرازم کو بچا سکتی تھی...... ایاز امیر صاحب اگر اپنی اس قیادت پر غضبناک ہونے کی بجائے خود جرأت کا مظاہرہ کرلیتے تو شاید انہیں شکوہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی...... لیکن لگتا ہے کہ جرأت کے نتیجہ سے وہ خود بھی باخبر ہیں، حالانکہ ان کے لیے جنرل پرویز مشرف وردی وکرسی کی آڑ میں خاصی راہ ہموار کرگیا تھا، لیکن یہ جنرل پرویز مشرف کے حقیقی سیکولرازم کو بچانے کے لیے بھی جرأت کا مظاہرہ نہ کرسکے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ

> "پاکستان کو عدم رواداری کے اندھیرے سے نکالنے اور قائداعظم کے سیاسی ورثے کو رائج کرنے کی اگر سنجیدہ کوشش کی جاتی ہے تو اس میں کامیابی کے لئے ہمیں کم سے کم مزاحمت کا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اس کوشش کو کامیاب بنانے کے لئے سیکولر کی اصطلاح کے استعمال سے گریز ضروری ہے کیونکہ ہمارے خودساختہ فرشتوں کی فوج سب سے زیادہ اس لفظ پر چراغ پا ہوتی ہے، سب سے بڑھ کر اس کے لفظی مطلب سے ہماری اکثریت ناآشنا ہے۔"

قائداعظم کا سیاسی ورثہ کیا ہے؟ اس پر ہم تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں، ایاز امیر صاحب تو پرویز مشرف کے سیاسی ورثہ کی حفاظت کی بات کریں، لیکن ان کے کالم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے بڑوں کی طرح کسی جرأت کا حوصلہ اپنے اندر نہیں رکھتے، بلکہ ہمارے لیے تو یہ بات بڑی حیران کن ہے کہ اپنے بڑوں کو بزدلی کا طعنہ دینے والے ایاز امیر ان سے بھی زیادہ بزدل نکلے، وہ کم از کم اس اصطلاح کا استعمال تو برملا کرتے تھے جس کی خواہش رکھتے تھے، مگر ایاز امیر صاحب نے تو اس اصطلاح "سیکولرازم" کے عدم استعمال کو ہی ضروری وناگزیر قرار دے دیا، وہ بقلم خود "خودساختہ فرشتوں" (علماء کرام) کی فوج سے گھبرا گئے ہیں، اور ان کے دل میں اس فوج کا خاصا خوف نظر آتا ہے، حالانکہ پاکستان کے مذہبی طبقات "ماسکو ساختہ شیاطین" سے بھی نہیں گھبرائے، سرد جنگ ہو یا گرم جنگ، ان "خودساختہ فرشتوں" سے ٹکرا کر ان "ماسکو ساختہ شیاطین" کی سوویت یونین اپنا وجود کھو بیٹھی، باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ ہمارے ملک کی اکثریت "سیکولرازم" کا مفہوم نہیں جانتی تو یہ بات واقعی درست ہے، اگر ہمارے ملک کی اکثریت اس کے مفہوم سے آشنا ہوجاتی تو آپ کے لئے اس ملک کی نوجوان نسل کو گمراہ کرنا ممکن نہ ہوتا...... آپ ۶۳ سال تک اس کی تبلیغ نہ کرسکتے...... یہ تو بھلا ہو علماء کرام کا کہ انہوں نے آپ کے دام تزویر میں پھنس جانے والوں پر اس کی حقیقت واضح کردی کہ اس کے ذریعہ مذہب کو اسٹیٹ سے بے دخل کردیا جاتا ہے، مذہب پرسنل معاملہ بن کر ثانوی درجہ میں چلا جاتا ہے، اس نظام کے ذریعہ سٹیٹ پر سے خداتعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا تصور ختم کردیا جاتا ہے، اس کے ذریعہ حکمرانوں اور پارلیمنٹ کو مطلق العنانی حاصل ہوجاتی ہے، اس کے ذریعہ مذہب کو عبادات واخلاقیات کے دائرہ میں قید کردیا جاتا ہے، اس کے ذریعہ اسلام کے نظام معیشت وسیاست کو ریاست سے نکال باہر کیا جاتا ہے، پھر معیشت کے لیے

کسی کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے، سیاست کسی سے مستعار لی جاتی ہے، تہذیب کسی کی اچک لی جاتی ہے، تمدن کسی کا سرقہ کرلیا جاتا ہے، انسان کو تصور آخرت سے محروم کردیا جاتا ہے، اگر علماء کرام عوام کو اس ''سیکولرازم'' کی حقیقت نہ سمجھاتے تو ایاز امیر جیسا لکھاری جرنلسٹ یہ پسپائی کیسے اختیار کرتا؟ وہ سیکولر کی حیثیت سے اسلامی قوانین کو برے قوانین کہتا ہے، اسلامی قانون سازی کا راستہ روکتا ہے، لیکن اپنے حواریوں کو سیکولرازم کی اصطلاح استعمال کرنے سے منع بھی کرتا ہے، کیوں ایاز امیر صاحب! یہ وہی نظام ہے ناں، جس کے بارہ میں مفکر پاکستان علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں کہ:

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

قرارداد مقاصد......آئین کا حصہ......کیوں بنی؟

ایاز امیر صاحب کا سب سے بڑا اندرونی کرب اور دلی دکھ یہ ہے کہ ....قیام پاکستان کے بعد بانیان پاکستان نے ملکی قانون سازی کے لئے قرارداد مقاصد کیوں تیار کروائی؟ ....اگر مذہبی قوتوں کی متحدہ تحریک کی جرأت واستقامت اور سیکولر قوتوں کی بزدلی ونااہلیت کی وجہ سے وہ قرارداد تیار ہو ہی گئی تھی تو اسے قانون ساز اسمبلی سے منظور کروانے کا کیا تک بنتا تھا؟ ....اگر ملک کی پہلی قانون ساز اسمبلی سے یہ حماقت سرزد ہو ہی گئی تھی تو پھر دستور پاکستان کو ہمیشہ کے لیے اس قرارداد کا مرہون منت بنانے کی بھلا کیا ضرورت تھی؟ کہ ہر دور کی قانون سازی کے لئے دستور پاکستان اسی ایک قرارداد کے محور پر گھومتا رہے؟ اور اگر اسے چکی کا کیل بنا ہی دیا گیا تھا تو پھر ۱۹۷۳ء کے آئین میں اسے بطور دیباچہ شامل کردینا ناانصافی نہیں تو کیا ہے؟ ....اور اگر ذوالفقار علی بھٹو مرحوم جیسے سیکولر وکیمونسٹ سے بھی یہ غلطی ہوگئی اور انکی پارلیمنٹ کے ذریعہ بالاتفاق اس قرارداد کو دستور کا حصہ بنادیا گیا؟ تو جنرل ضیاء نے یہ ستم کیوں ڈھایا کہ اس نے ایاز امیر جیسے سیکولر لوگوں کے جذبات واحساسات کا خیال رکھنے کی بجائے قومی جذبات اور نظریہ پاکستان کو ہی سامنے رکھا اور قرارداد مقاصد کو باقاعدہ آئین کا حصہ بنادیا ان کا دعوی ہے کہ قرارداد مقاصد کی تیاری قانون ساز اسمبلی سے اسکی منظوری اور ۷۳ء کی پارلیمنٹ کا اسے آئین کا دیباچہ بنانا اتنا سنگین جرم تھا کہ اللہ تعالی نے جنرل ضیاء کو بطور سزا قوم پر مسلط کر دیا کیونکہ اب قوم اسی قابل رہ گئی تھی وہ فرماتے ہیں کہ۔

> (ا) قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنانے کی کیا ضرورت تھی جیسا کہ جنرل ضیاء نے ایک حکم کے تحت کیا تھا؟ یہ کوئی معمولی بوالعجبی نہیں کہ ایک فوجی ڈکٹیٹر آئین کو کچل ڈالے اور یہ عذر پیش کرے کہ آئین کو بہتر بنایا گیا ہے (۲) مشاہدہ قابل توجہ ہے کہ ضیاء راستہ سے ہٹ جانے والی شخصیت نہ تھا دراصل ضیاء اس عمل کی معراج تھا جو قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد پاکستان میں شروع ہوا اگر ضیاء اچانک نمودار ہو کر اقتدار پر قابض نہ بھی ہوا ہوتا تب بھی قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد پاکستان کو جس راستہ پر ڈال دیا گیا تھا ضیاء جیسی کسی شخصیت کی تلاش ہماری مجبوری بن چکی تھی قدرت نے ضیاء ہم پر مسلط کیا کہ قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد ہم اسی قابل رہ گئے تھے

ایاز امیر صاحب کے کالم نمبر 2 سے مذکورہ دو عبارتیں نقل کی گئی ہیں جنہیں ملاحظہ کر کے ایاز امیر صاحب کی پریشانی وتکلیف کا بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے ....ہمیں فی الوقت اس سے بحث نہیں کہ جنرل ضیاء شہیدؒ کی طرف سے آئین میں چند ترامیم اگر بوالعجبی اور آئین کچلنے کے مترادف ہے۔ تو جنرل پرویز مشرف جیسے ڈکٹیٹر کی ترامیم کو کیا نام دینا مناسب ہوگا؟ ....ہم اس وقت اس بحث کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے کہ اسلامی قانون سازی کی وجہ سے جنرل ضیاء شہیدؒ قوم پر خدا کا عذاب بن کر آئے یا جنرل پرویز مشرف اسلامی قانون سے مذاق و انحراف کرنے کی وجہ سے عذاب الٰہی کی صورت میں قوم پر مسلط کئے

گئے؟۔لیکن اتنی بات واضح ہے کہ ایاز امیر صاحب ضیاء شہیدؒ کی قانون سازی کو نہ صرف قرارداد مقاصد کے مطابق بلکہ اس کی معراج تسلیم کرتے ہیں اور اس مقام پر اس حقیقت کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ایاز امیر دونوں جرنیلوں کو قومی مجرم سمجھتے ہیں جنرل ضیاء شہیدؒ کو اسلامی قوانین بنانے کا مجرم اور جنرل مشرف کو اسلامی قوانین ختم نہ کرنے کا مجرم۔ان کا کہنا ہے کہ جنرل پرویز مشرف برسر اقتدار آتے ہی اگر اسلامی قوانین کا خاتمہ کر دیتے تو ملک میں ایک پتہ بھی نہ ہلتا۔لیکن ہمارے خیال میں پرویز مشرف ایاز امیر سے زیادہ دانشور تھا اسے ردعمل میں صرف پتے ہلتے نہیں بلکہ درخت جڑوں سے اکھڑتے نظر آرہے تھے۔

بہرحال ایاز امیر صاحب قرارداد مقاصد کے بارے میں خاصے برہم نظر آتے ہیں۔ان کا کہنا ہے اس دستاویز پر اپنی توانائیاں صرف کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی؟ اور یہ پریشانی صرف ایاز امیر صاحب کی نہیں ہر اس فرد اور طبقہ کی ہے جو اسلام کو بحیثیت نظام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ....جو ملک کے اندر اسلامی نظام کی بہاریں دیکھنا پسند نہیں کرتا ....خواہ اس کا تعلق عیسائیت سے ہو یا ہندو دھرم سے....قادیانیت سے ہو یا اشتراکیت سے....روس نوازوں سے ہو یا امریکی حامیوں سے ....قرارداد مقاصد ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے کیونکہ اسکا بنیادی مقصد ہی دستور پاکستان کو اسلامی حدود میں مقید کرنا ہے اور غیر اسلامی قانون سازی کا راستہ روکنا ہے جنرل ضیاء شہیدؒ نے ۱۹۸۵ء کی پارلیمنٹ کے ذریعہ اس قرارداد مقاصد کو باقاعدہ دستور کا حصہ بنا دیا ۔تاکہ جنرل پرویز مشرف جیسا اسلام دشمن ڈکٹیٹر اسے دستور سے خارج نہ کر سکے ایاز امیر صاحب اتنی بات تو نقل کرتے ہیں کہ جنرل ضیاء شہیدؒ نے ایک حکم کے ذریعہ اس قرارداد کو آئین کا حصہ بنا دیا لیکن اس حقیقت کا تذکرہ نہیں کرتے کہ اس کی منظوری ۱۹۸۵ء کی اسمبلی نے دی تھی گویا یہ پارلیمنٹ کی منظوری سے دستور کا حصہ بنی محض جنرل ضیاء شہیدؒ کے حکم سے وہ دستور کا حصہ نہیں بن سکتی تھی یہ قرارداد مقاصد ایاز امیر صاحب اور ان کے سیکولر و کمیونسٹ رفقاء کے دل و دماغ کو گھن کی طرح چاٹ رہی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ قارئین کرام جنہوں نے ابھی تک قرارداد مقاصد کا مطالعہ نہیں کیا ان کے لئے قرارداد کا مکمل متن نقل کر دیا جائے تا کہ وہ ایاز امیر صاحب کی پریشانی کا اصل سبب جان سکیں۔

(قراردادِ مقاصد)

☆..........☆

چونکہ تمام کائنات کا اقتدار اعلیٰ صرف خداوند تعالیٰ کی عظیم ذات کو حاصل ہے اس لیے جو اختیارات اپنی حدود میں رہ کر پاکستان کی عوام نے استعمال کرنے ہیں وہ ان کے پاس خداوند تعالیٰ کی طرف سے مقدس امانت ہیں اور پاکستان کی عوام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسا نظام بنائیں ۔۔۔ جس میں ریاست تمام اختیارات اور طاقت کا استعمال عوام کے نمائندوں کے ذریعہ کرے۔۔جس میں جمہوریت آزادی، مساوات، رواداری، اور معاشرتی انصاف کے اصولوں کا اسلام کے احکامات کے مطابق پاس کیا جائے گا۔۔۔جس میں مسلمان اس قابل ہوں گے۔کہ اپنی زندگیوں کو انفرادی و اجتماعی دائروں میں اسلام کی ہدایات اور ضروریات کے مطابق ڈھال سکیں۔وہ ہدایات جن کا پتہ قرآن پاک اور سنت نبویؐ سے ملتا ہے۔۔جس میں اقلیتوں کو مناسب موقع دیا جائے گا۔کہ وہ اپنے مذاہب پر آزادانہ عمل کریں۔اور ان کی تبلیغ کر سکیں نیز اپنی ثقافت کو ترقی دے پائیں۔۔جسمیں وہ تمام علاقے جو آج کل پاکستان میں شامل ہیں یا اس کے بعد شامل ہوں گے ایک وفاق قائم کریں گے یہ اکائیاں طے شدہ حدود میں رہتے ہوئے داخلی طور پر خود مختار ہوں گی۔۔۔جس میں بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔ان حقوق میں حق مساوات، قانون کے سامنے برابری کا حق، معاشرتی، معاشی، اور سیاسی انصاف کا حق، سوچنے اور اظہار کرنے کا حق کوئی بھی عقیدہ رکھنے اور اس کے مطابق عبادت کرنے کا حق، اور ایسوسی ایشن کا حق شامل ہونگے یہ حقوق اخلاق اور قانون کے تابع ہوں ۔۔۔جس میں اقلیتوں اور پسماندہ طبقوں کے جائز مفادات کے تحفظ کیلئے مناسب اقدامات کیے جائیں گے۔ ۔۔جس میں عدلیہ کی آزادی کی مکمل ضمانت دی جائے گی۔جس میں وفاق میں شامل علاقوں کے وقار، وفاق کی آزادی اور اس کے تمام

حقوق جس میں اس کے تمام بری، بحری، اور ہوائی علاقوں پر اس کا حق اقتدار اعلیٰ بھی شامل ہے، کا دفاع کیا جائے گا۔۔۔تاکہ اہل پاکستان خوشحال ہوں اور اقوام عالم میں اپنا صحیح اور باعزت مقام حاصل کرلیں۔ اور دنیا میں امن کی ترقی اور انسانیت کی خوشی کے لئے اپنا فرض پوری طرح ادا کریں۔

قارئین کرام! آپ قرارداد مقاصد کا اصل و مکمل متن ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ہمارے ناقص علم و فہم کے مطابق اس قرارداد کے اندر 4 چیزیں ایسی ہیں جو ہر اسلام دشمن، اشتراکی و سیکولر کے دل و دماغ پر نشتر چلاتی ہیں۔

(1) خدا تعالیٰ کی۔۔۔۔۔حاکمیت اعلیٰ۔

قرارداد کے اندر خدا تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا تصور دیا گیا ہے۔ یعنی ملک، قوم، پارلیمنٹ، عدلیہ، اور حکومت پر اصل حاکمیت خدا تعالیٰ کی ہے۔ باقی ہر ایک (پریزیڈنٹ، پرائم منسٹر، آرمی چیف، اور چیف جسٹس وغیرہ) کے اختیارات اسی حاکمیت اعلیٰ کے تابع ہوں گے۔۔۔جب ایک کمیونسٹ یا سوشلسٹ سرے سے خدا تعالیٰ کے وجود کا ہی منکر ہے۔ تو وہ اس کی حاکمیت کو کیسے تسلیم کر سکتا ہے؟۔۔۔اسی طرح ایک سیکولر یا لبرل فرد یا طبقہ، خدا کے وجود کو تو مانتا ہے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ ایک معبود کی حد تک، اس کی حاکمیت کا تصور اس کے ہاں بھی مفقود ہے۔ گویا جو فرد اور طبقہ اپنی پرسنل لائف کے اندر خدا تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم نہیں کرتا، وہ پورے ملک و قوم، حکومت اور پارلیمنٹ پر اس کی حاکمیت کیسے گوارہ کر سکتا ہے؟

(2) اختیارات کا استعمال۔۔خدا تعالیٰ کے۔۔مقررہ حدود میں

اس قرارداد کے اندر قانون سازی اور حکومت و عدلیہ کے لیے خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اختیارات کے استعمال کرنے کا تصور دیا گیا ہے۔ اور ان اختیارات کو خدا تعالیٰ کی امانت قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ملک کے ہر حکمران اور پارلیمنٹ کو اختیارات استعمال کرنے میں خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے دائرہ میں بند رہنا ہوگا۔ نہ پارلیمنٹ ایسی قانون سازی کر سکے گی جو خدا تعالیٰ کی مقررہ حدود سے تجاوز ہو۔ اور نہ حکمران ایسا آرڈیننس جاری کر سکے گا جو خداوند عالم کی قائم کردہ قیود سے انحراف و روگردانی ہو۔ ان حدود و قیود سے تجاوز نہ صرف یہ کہ قانونی و قومی جرم ہوگا۔ بلکہ اختیارات کے غلط و ناجائز استعمال کی عنداللہ جواب دہی بھی ہوگی۔ اب سیکولرازم کا حامی یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ قانون سازی اور انتظامی امور کے حوالہ سے اس کے لئے اختیارات کا تعین کرنے والی طاقت کوئی اور ہو؟

(3) جملہ اصولوں کی تعیین۔۔اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

اس قرارداد کے اندر جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے جملہ اصول اسلامی احکامات و تعلیمات کی روشنی میں واضح کرنے کا تصور دیا گیا ہے۔ یعنی پاکستان کی۔۔۔جمہوریت۔۔۔آزادی۔۔۔مساوات۔۔۔رواداری۔۔۔معیشت۔۔۔معاشرت۔۔۔اور عدالت و حکومت اسلامی احکامات و تعلیمات کے تابع ہوں گی۔ اب ایک کمیونسٹ و سیکولر شخص و طبقہ اپنی ذہنی خودمختاری سے کیسے دستبردار ہو سکتا ہے؟ کہ وہ اپنا ہر معاملہ اسلامی تعلیمات کے تابع کر دے؟ اس نے تو بڑی مشکل سے ایک معجون مرکب تیار کیا تھا کہ۔۔۔اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے۔۔۔لیکن قرارداد مقاصد کہتی ہے کہ پاکستانی مسلمانوں کا دین بھی اسلام ہے، اس کی جمہوریت بھی اسلام ہے، اس کی معیشت بھی اسلام ہے۔ ایاز امیر صاحب تو جنرل ضیاء شہیدؒ کے تیار کردہ چند اسلامی قوانین سے پریشان تھے۔ اور یہ قرارداد مقاصد ہر طرف اسلام لانے کی فکر میں ہے۔

(4) قرآن و سنت۔۔کی روشنی میں۔۔اسلامی معاشرہ کی تشکیل

اس قرارداد کے اندر ملک میں ایسی قانون سازی کا تصور دیا گیا ہے۔ جس کے تحت تمام پاکستانی مسلمان اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو قرآن و سنت سے ثابت شدہ ہدایات و احکامات کے مطابق ڈھال سکیں گے۔ یعنی ایک اسلامی معاشرہ تشکیل پائے گا، جہاں اسلامی ثقافت ہوگی، اسلامی تہذیب ہوگی، اسلامی تمدن ہوگا، اسلامی کلچر ہوگا، اور مسلمان صورت و سیرت کے حوالے سے مسلمان نظر آئے گا۔۔۔اب غور فرمائیے کہ ایک سیکولر و اشتراکی فرد و طبقہ اپنی

انفرادی و اجتماعی زندگی کے اندر قرآن و سنت کی مداخلت کیسے گوارہ کر سکتا ہے؟ خدا اور رسول کی دخل اندازی کیسے برداشت کر سکتا ہے؟

پارلیمنٹ کا ـــــ اعتراف حقیقت

قراردادِ مقاصد ہی ایاز امیر صاحب کے لیے کچھ کم پریشانی کا باعث نہ تھی۔ کہ ۱۹۷۳ء کی پارلیمنٹ نے قراردادِ مقاصد نقل کرنے کے بعد اپنے تمہیدی کلمات کے ذریعہ ان کے دل و دماغ اور فکر و نظر پر ایک اور ستم ڈھا دیا۔ جس سے ان کے ہوش و حواس مزید متاثر ہو گئے۔ اور ان کا ذہنی ڈپریشن بڑھ گیا۔ پارلیمنٹ نے قراردادِ مقاصد کے بعد تمہیدی کلمات میں لکھا کہ

> اس لیے اب ہم یعنی پاکستان کے عوام! اللہ تعالیٰ اور عوام کے سامنے اپنی ذمہ داری کا پورا احساس رکھتے ہوئے۔۔ پاکستان کی خاطر عوام کی طرف سے دی جانے والی قربانیوں کو سامنے رکھتے ہوئے۔۔۔ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے اس اعلان کی فرماں برداری کرتے ہوئے جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ پاکستان ایک ایسی جمہوری مملکت بنے گا۔ جس میں اسلامی اصولوں کی بنیاد پر معاشرتی انصاف ہو گا۔۔۔ جمہوریت کی بقا کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے ہوئے کہ جسے عوام نے تشدد اور جبر کے خلاف ایک زبردست جدوجہد کے بعد حاصل کیا۔۔۔ اپنے قومی اور سیاسی اتحاد اور قوت کے تحفظ کا فیصلہ کرتے ہوئے کہ جسے ہم ایک نئے نظام کے تحت قائم ہونے والے معاشرہ میں حاصل کریں گے ـــــ قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعہ یہ دستور بناتے اور اختیار کرتے ہیں۔

ایاز امیر صاحب ملاحظہ فرمائیں کہ 1973ء کے جس آئین کی بلا کم و کاست وہ بحالی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اسکی تمہید میں یہ ۵ چیزیں بصراحت مذکور ہیں ـــــ (۱) حکومت پاکستان اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے عوام کے سامنے بھی جوابدہ ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے سامنے بھی۔ گویا "گارڈ" کو کسی صورت "اسٹیٹ" سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ (۲) قانون سازی کے لیے قیام پاکستان کی تحریک میں قربانیاں دینے والوں کے مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ اور اس حقیقت کا اعتراف ایاز امیر صاحب بھی کر چکے ہیں۔ کہ اس وقت عوام نے قربانیاں اسلام ہی کے لیے دی تھیں۔ اور ان کا نعرہ تھا ـــــ پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ۔۔۔ (۳) ملک کے اندر اسلامی قانون سازی اس لیے بھی ضروری ہے کہ قیام پاکستان سے قبل بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ مرحوم پاکستان کو اسلامی اصولوں کی بنیاد پر جمہوری مملکت بنانے کا وعدہ و اعلان کر چکے تھے۔ اور غیر اسلامی قانون سازی سے بانی پاکستان کا وعدہ پورا نہیں ہو سکتا۔ ایاز امیر صاحب توجہ فرمائیں کہ ان کے بقول قائد اعظم مرحوم نے اسلامی نعروں کو سیاسی مصلحت کے طور پر مجبوراً گوارا کیا تھا۔ جبکہ ۱۹۷۳ء کی پارلیمنٹ تسلیم کر چکی ہے کہ بانی پاکستان نے اسلامی نظام کا وعدہ و اعلان کیا تھا اب مصلحت اور وعدے میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت ایاز امیر ہی کر سکتے ہیں؟ ـــــ (۴) سکندر مرزا، جنرل ایوب خاں اور جنرل یحییٰ خاں کے جبر و تشدد پر مبنی طویل دور میں زبردست و شدید جدوجہد کے بعد حاصل کی جانے والی جمہوریت کی بقاء و سالمیت کی حفاظت کی جائے گی۔۔۔۔۔۔ (۵) ایک نئے نظام کے تحت ایسا معاشرہ قائم کیا جائے گا جس میں قومی و سیاسی اتحاد و قوت کے تحفظ پر مبنی فیصلے کیے جائیں گے۔ اور ایاز امیر صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس نئے نظام کی بنیاد، دستور کے "آرٹیکل ٹو" میں واضح کی گئی ہے کہ

> ـــــ اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہو گا ـــــ

قراردادِ مقاصد، پارلیمنٹ کی تمہید اور دستور کے "آرٹیکل ٹو" کے بعد کسی باشعور اور حقیقت پسند شخص کے ذہن میں کوئی ابہام باقی نہیں رہتا کہ پاکستان اسلام کے لیے بنا تھا اور اسلامی قانون سازی ہی اس کے قیام

کا مقصد و تقاضا ہے نظریہ پاکستان کی اسی اصطلاح کی بنیاد پر مذہبی قوتوں نے ۔۔۔۔۔ ۱۹۴۹ء کی قانون ساز اسمبلی میں جنگ لڑی اور قرارداد مقاصد منظور کروائی ۔۔۔۔۔ اسی اصطلاح کی بنیاد پر ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۸ء کے دساتیر کی تیاری پر دائیں (اسلام پسند) اور بائیں (سوشلسٹ، سیکولر) بازو کی جماعتیں آمنے سامنے آئیں ۔۔۔۔۔ اسی اصطلاح کی بنیاد پر جنرل ایوب خان کے دور کی "گول میز کانفرنس" میں مذہبی اور سیکولر قوتوں کے درمیان معرکہ ہوا۔۔۔۔۔ اور پھر اپریل ۱۹۷۲ء میں آئین کا مسودہ تیار کرنے کے لیے جو "پارلیمانی دستوری کمیٹی" تشکیل دی گئی اسے بھی نظریہ پاکستان اور قرارداد مقاصد کو پیش نظر رکھنے کا پابند کیا گیا۔ چنانچہ اس کمیٹی نے انہی دو اصولوں کی بنیاد پر دستوری مسودہ تیار کر کے اکتوبر ۱۹۷۲ء میں پیش کر دیا، جو تخفیف و ترمیم کے مختلف مراحل سے گزر کر ۲ فروری ۱۹۷۳ء کو اسمبلی فورم پر لایا گیا۔ جسے اسمبلی میں بالاتفاق منظور کیا گیا۔

دستور ۷۳ء کی روشنی میں ۔۔۔ اسلامی قانون سازی ضروری ہے

ایاز امیر صاحب قرارداد مقاصد سے بھی نالاں ہیں۔ اور نظریہ پاکستان سے بھی بیزار ہیں۔ اور ۱۹۷۳ء کے آئین کی اصلی حالت میں بحالی کا مطالبہ بھی کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلامی قوانین سے متعلق بعد کی دستوری ترامیم ختم کر دینی چاہییں۔ لیکن وہ اس حقیقت سے شعوری یا لاشعوری طور پر لاعلمی و ناواقفیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں کہ ۱۹۷۳ء کا آئین اپنی اصلی حالت میں بھی اسلامی قانون سازی کا ہی تقاضا کرتا ہے ان کا یہ کہنا ہمارے لیے شدید حیرت کا باعث ہے کہ ۱۹۷۳ء میں جو آئین متفقہ طور پر منظور کیا گیا، اس میں کافی زیادہ اسلامی شقیں بھی شامل تھیں۔ ان میں کسی اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔

ایاز امیر صاحب کو ایک "جرنلسٹ" اور ایک "پارلیمنٹرین" کی حیثیت سے کوئی بھی موقف اختیار یا تحریر کرتے ہوئے اپنی منصبی ذمہ داری کو پوری طرح ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایک جرنلسٹ اور ایک پارلیمنٹرین کی حیثیت سے وہ دستور پاکستان کے "آرٹیکل ۳۱ کی شق نمبر ۱" سے بے خبر ہو سکتے ہیں۔ جس میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ

> پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لیے اور انھیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے اقدامات کئے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآن پاک اور سنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں۔

ایاز امیر صاحب آئین ۷۳ء کے مذکورہ آرٹیکل کا بغور مطالعہ فرمائیں، اور ایک سیکولر جرنلسٹ کے خول سے نکل کر ایک مسلم پارلیمنٹرین کی حیثیت سے اپنی منصبی و قومی ذمہ داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے دستور پاکستان کی روشنی میں اپنی ذمہ داری اور اپنے طرز فکر و عمل کا جائزہ لینے کی کوشش کریں۔ اپنے فرض منصبی کو پہچانیں کہ ان کی قومی و قانونی ذمہ داری اسلام کے بنیادی نظریات اور اصولوں کا تحفظ ہے یا انکی مخالفت؟۔۔۔۔ ان کا منصبی فریضہ قرآن و سنت کی روشنی میں عملی اقدامات اٹھانا ہے یا اسلامی قانون سازی کے لیے کئے جانے والے اقدامات کی راہوں میں رکاوٹیں کھڑی کرنا؟

دستور ۷۳ء برملا طور پر اعلان کر رہا ہے کہ ۔۔۔ مسلمانوں کی انفرادی زندگی اور اجتماعی حیات کو اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق بنانا اور اس کے لیے ہر قسم کی ضروری سہولتیں فراہم کرنا اور اس کے لیے ایسے اقدامات اٹھانا جن کی مدد سے ہر مسلمان اپنی زندگی کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھال سکے۔ یہ مملکت و ریاست کی ذمہ داری ہے۔

﴿☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆﴾

(فصل چہارم)

ایاز امیر کے عزائم

اسلامی قوانین کا خاتمہ ۔۔۔ اور ۔۔۔ سیکولرازم کا نفاذ

☆..........☆

ایاز امیر صاحب کا فلسفہ، ان کا فکر اور ان کی پریشانی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، ان سب چیزوں کے پیچھے ان کے عزائم و مقاصد کیا

ہیں؟ ان کا تذکرہ بھی ان کے کالموں کی روشنی میں بیان کرنا ضروری و ناگزیر ہے۔ دراصل وہ پاکستان کے اندر اشتراکی نظام اور مغربی تہذیب کا ایسا مذموم و مکروہ خواب دیکھ رہے ہیں۔ جو انشاء اللہ العزیز کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ وہ اپنے خواب و خیال کی دنیا میں اسلامی قوانین کا خاتمہ اور اشتراکیت کے ذیلی نظام سیکولرازم کے نفاذ کا جو کاغذی خاکہ تیار کر رہے ہیں اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے۔

اسلامی قوانین کا خاتمہ پوری قوم کا نعرہ ہونا چاہیے۔

ایاز امیر صاحب اسلام دشمنی کی بنا پر پاکستانی عوام سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ ملک کے اندر موجود چند اسلامی قوانین کے خلاف متحد ہو جائیں۔ اور اسلامی قوانین کے خاتمے کو اجتماعی نعرہ کی شکل دیں۔ وہ پاکستانی عوام کو یہ گمراہ کن تصور دینا چاہتے ہیں کہ اسلامی قانون سازی کے سلسلہ میں جو آئینی ترامیم کی گئی ہیں وہ نہ صرف فضول اور بے کار ہیں بلکہ ۷۳ کے متفقہ آئین کے بھی منافی ہیں لہذا ان سے چھٹکارا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ ان کا اسلامی قوانین کو فضول و بے کار ترامیم قرار دینا نہ صرف اسلام دشمنی بلکہ بہت بڑی جسارت اور پارلیمنٹ کی بھی توہین ہے۔ لیکن ان کی سیاسی و اخلاقی بزدلی کا عالم یہ ہے کہ وہ ایک خالص پارلیمانی مسئلے کو ایک جرنلسٹ کی حیثیت سے میڈیا پر تو بڑے زور و شور کے ساتھ لا رہے ہیں۔ لیکن ایک رکن پارلیمنٹ کی حیثیت سے ایک حکمران جماعت کا رکن ہونے کے باوجود اسمبلی فورم پر لانے کا حوصلہ نہیں کر پا رہے۔ ایک جرنلسٹ اور ایک پارلیمنٹیرین کی حیثیت سے ان کی شخصیت جس دوہرے طرز عمل اور تضاد کا شکار ہے وہ انتہائی افسوس ناک ہے۔ خدا معلوم وہ حکمران جماعت سے خائف ہیں یا اپوزیشن جماعتوں سے؟

اسلامی قوانین کے خاتمے سے قوم آزاد فضا میں سانس لے گی۔

ایاز امیر صاحب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اسلامی قوانین کے خاتمے سے لوگ آزاد فضا میں سانس لینا اور اس بند معاشرے کے دروازے از خود کھلنا شروع ہو جائیں گے ظاہر ہوتا ہے کہ ایاز امیر صاحب کے لیے ذہنی گھٹن کا سب سے بڑا سبب اسلامی قوانین ہیں۔ وہ اپنی اس ذہنی گھٹن کی وجہ سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ پوری قوم اس ذہنی گھٹن کا شکار ہے اس لیے اسلامی قوانین کے خاتمے کے بغیر نہ پبلک کی ذہنی گھٹن ختم ہوگی اور نہ معاشرے کے بند دروازے کھلیں گے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ایاز امیر صاحب جیسے اشتراکی و سیکولر افراد کے لیے واقعی اسلامی قوانین کے اندر ذہنی گھٹن موجود ہے۔ لیکن ایسے افراد کی تعداد ملک کے اندر آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہوگی۔ لہذا ان کا یہ کہنا کہ اسلامی قوانین کے خاتمہ سے پوری قوم یا پورے ملک کے لوگ آزاد فضا میں سانس لینا شروع کر دیں گے صرف ان کی خود فریبی یا خوش فہمی ہے۔ پاکستانی قوم بحمد اللہ تعالیٰ آج بھی اسلام سے محبت رکھتی ہے۔ اور اسلامی نظام کا نفاذ چاہتی ہے۔

توہین رسالت کے۔۔۔ قانون کا۔۔۔ خاتمہ ضروری ہے

جب سے پاکستان کے اندر جنرل محمد ضیاء شہیدؒ کے ذریعہ توہین رسالت کے مجرم کے لیے سزائے موت تجویز ہوئی ہے اس وقت سے اشتراکی و مغربی میڈیا واویلا مچا رہا ہے کہ یہ قانون انسانی حقوق کے منافی ہے ہر شخص اور مذہب کو اپنے فکر و عقیدہ کے مطابق آزادی رائے کا حق حاصل ہے لیکن آج تک اشتراکی میڈیا یہ بات واضح نہیں کر سکا کہ توہین رسالت کا شمار انسانی حقوق میں کیونکر ہو سکتا ہے کسی نبی کی نبوت کا انکار تو انسانی حق قرار دیا جا سکتا ہے لیکن کسی نبی کی توہین کو انسانی حقوق میں شمار کرنا ناقابل فہم ہے اب یہی مطالبہ ایاز امیر صاحب بھی کر رہے ہیں کہ توہین رسالت کا قانون ختم ہونا چاہیے لیکن وہ اس بات کی وضاحت نہیں کر پائے کہ اس قانون کا خاتمہ کیوں ضروری ہے؟

حدود قوانین کا خاتمہ ضروری ہے

ایاز امیر صاحب زنا کے متعلق حدود قوانین کا خاتمہ بھی ضروری قرار دیتے ہیں یہ خواہش تو انکی پوری ہو چکی، کیونکہ ان کے پسندیدہ قومی ہیرو جنرل پرویز مشرف گن پوائنٹ، پر اسمبلی سے حقوق نسواں بل پاس کرا کے حدود قوانین کا خاتمہ کر چکے ہیں۔

حدود قوانین سے اچھے نتائج برآمد نہیں ہوئے

ایاز امیر صاحب کی طرف سے حدود قوانین کے خلاف جو واحد

دلیل پیش کی گئی ہے وہ یہ کہ ان قوانین کے ذریعہ بہتر اور اچھے نتائج برآمد نہیں ہو سکے۔ حالانکہ ایک نارمل ذہن کا عام سا جرنلسٹ بھی اس حقیقت سے واقف و باخبر ہے۔ کہ معاشرے میں بہتری قانون سے نہیں بلکہ قانون نافذ کرنے سے آتی ہے حدود قوانین جو تیار کیے گئے وہ حکومتی سیاسی سسٹم نے عملاً کبھی نافذ ہی نہیں ہونے دیئے، جب ان کے سیاسی سسٹم نے ایسا ہونے ہی نہیں دیا اور رشوتی و سفارشی کلچر نے ہر مقدمہ کو راستے میں ہی ہائی جیک کر لیا تو اس کے بہتر نتائج برآمد نہ ہونے کا طعن، حدود قوانین کو دینا اگر احمقانہ نہیں تو غیر دانشمندانہ فکر ضرور ہے کیونکہ سسٹم کی خرابی کا نزلہ قانون پر گرا دینا نرا پاگل پن ہے۔ ایاز امیر صاحب کا یہ کہنا ہے کہ حدود قوانین نے شر پسندی ہی پھیلائی ان کے اسلام دشمن بیمار ذہن کی اپاہج سوچ کا نتیجہ ہے کیا ہم ان سے سوال کر سکتے ہیں کہ اس ملک کے اندر قتل، ڈکیتی، چوری، اغوا کے خلاف قانون موجود ہیں کیا ان قوانین کے ذریعہ مذکورہ جرائم میں کمی ...... یا معاشرہ کے اندر بہتری آئی؟ .... یقیناً ایاز امیر صاحب کا جواب نفی میں ہوگا۔ اور اس کے لئے وہ یہی عذر پیش کریں گے کہ خرابی قوانین میں نہیں بلکہ سسٹم میں ہے پھر اسلامی قوانین کے بارہ میں سسٹم کو بائی پاس کرتے ہوئے انکی طرف سے بہتر نتائج تلاش کرنا اور ان کے مفقود ہونے کا بہانہ تراشنا اور اسلامی قوانین کے خاتمہ کا مطالبہ کرنا کم از کم ان کی دیانتدارانہ تحقیق قرار نہیں دیا جا سکتا ایاز امیر صاحب اپنے فلسفے پر غور کریں اور واضح کریں کہ کیا قرآن حکیم ہمارے گھروں میں موجود نہیں؟ کیا اس کی موجودگی سے ہماری سوسائٹی میں بہتری آگئی ہے؟ تو کیا ایاز امیر صاحب کے فلسفہ کے مطابق چونکہ قرآن حکیم کی موجودگی سے (العیاذ باللہ تعالیٰ) ہماری سوسائٹی میں بہتری نہیں آئی، لہٰذا اسے سوسائٹی سے نکال دیا جائے؟ ایاز امیر صاحب اپنے فلسفہ پر ذرا خود ہی غور فرمائیں کہ جس قانون پر عمل در آمد ہی نہیں ہونے دیا گیا اس سے بہتری پیدا نہ ہونے کی ذمہ داری قانون پر ڈال دینا ایک احمقانہ فلسفہ ہے یا دانشمندانہ؟

۷۳ء کا آئین .... اور .... عصمت فروشی

ایاز امیر صاحب ۱۹۷۳ء کے آئین کی اصلی و حقیقی شکل میں بحالی کا مطالبہ کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس آئین کے اندر اس کے بعد جو ترامیم کی گئیں وہ ختم کی جائیں۔ قطع نظر اس سے کہ اس مطالبہ کے پیچھے ان کے مقاصد کیا ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۹۷۳ء کے آئین کو قابل عمل و موثر تسلیم کرتے ہیں لہٰذا اس کی روشنی میں ان سے چند سوالات کرنا چاہیں گے

دستور ۷۳ کے آرٹیکل ۳۷ کے تحت لکھا ہے کہ

ریاست (ز) عصمت فروشی، قمار بازی اور ضرر رساں ادویات کے استعمال، فحش ادب اور فحش اشتہارات کی طباعت، نشر و اشاعت اور نمائش کی روک تھام کرے گی ...... (ح) نشہ آور مشروبات کے استعمال کی سوائے اس کے کہ وہ طبی اغراض کے لیے یا غیر مسلموں کے لیے ہو روک تھام کی جائے گی۔

ان دونوں شقوں میں ...... عصمت فروشی کو روکنا ...... قمار بازی کا راستہ بند کرنا ...... شراب فروشی اور شراب نوشی کی روک تھام کرنا ...... ہر قسم کے فحش لٹریچر کی طباعت و اشاعت و نمائش کا سد باب کرنا ...... ریاست و مملکت کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ ایاز امیر صاحب وضاحت فرمائیں کہ ...... دستور کی ان شقوں کو تیار ہوئے تقریباً ۳۷ سال بیت گئے ہیں۔ کیا عصمت فروشی ختم ہو گئی؟ ...... قمار بازی اور سٹہ بازی ناپید ہو گئی؟ ...... شراب نوشی اور شراب فروشی کا خاتمہ ہو گیا؟ ...... فحش لٹریچر، عریانی پر مبنی رسائل و جرائد مخرب اخلاق اشتہارات کی طباعت و اشاعت و نمائش رک گئی؟ ...... ضرر رساں ادویات کی تیاری اور فروخت کا سلسلہ بند ہو گیا؟ ...... محترم اور ترامیم کو فی الوقت ایک طرف رکھ دیجیے۔ ۷۳ء کے آئین کی جس اصلی و حقیقی صورت کو آپ تسلیم کرتے ہیں۔ ایک رکن پارلیمنٹ اور ایک حکمران جماعت کے راہنما کی حیثیت سے اس پر تو عمل در آمد کرا دیجیے ...... ۷۳ء کے آئین کی روشنی میں پہلے عصمت فروشی کے اڈے تو بند کرائیے ...... قمار بازی تو روکیے ...... فحش و مخرب اخلاق لٹریچر کا سلسلہ تو بند کیجیے ...... یا کم از کم اتنا تحریر کر دیجیے کہ چونکہ ۷۳ء کے آئین کی تیاری سے بہتری کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ اس لیے اسے معطل و کالعدم قرار دیا جائے ...... لیکن ہم جانتے ہیں آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ آپ کے من میں چور ہے ...... اور جس کے من میں چور ہو وہ وسوسے تو ڈال سکتا ہے۔ کسی اخلاقی جرأت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔

قادیانیت آرڈیننس قانون کی کتابوں سے نکال دینا چاہیے۔

ایاز امیر صاحب نے جنرل ضیاء شہید کی طرف سے قادیانیوں پر شعائر اسلامی کے استعمال کی پابندی کے قانون پر بھی کافی واویلا مچایا ہے۔اور اس بات پر خاصا زور دیا ہے کہ یہ گندا قانون، قانون کی کتابوں سے نکال دینا چاہیے۔ہمیں ایاز امیر صاحب کی عقل اور ان کے طرز فکر پر شدید حیرت ہے کہ وہ حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے افسانوی طرز تحقیق پر کیوں فریفتہ ہیں؟وہ مفروضات کے خول سے نکل کر امر واقعہ کو تسلیم کیوں نہیں کر لیتے؟ جب ایک گروہ اپنے عقائد و افکار کی بنیاد پر خود کو امت مسلمہ سے کاٹ چکا ہے۔اور پوری امت مسلمہ بھی اسے اپنے سے الگ کر چکی ہے۔اور دستور پاکستان اس گروہ کی امت مسلمہ سے علیحدگی کی تائید و تصدیق بھی کر چکا ہے۔پارلیمنٹ اتفاق رائے سے اس گروہ کو کافر و غیر مسلم قرار دے چکی ہے۔تو پھر کوئی سیکولر جرنلسٹ (جو خود اسلامی قانون سازی سے منکر و بے زار ہو) اس گروہ کو زبردستی امت مسلمہ میں داخل و شامل کرنے کا کیا حق رکھتا ہے؟اور امت مسلمہ اسکو اپنے شعائر اختیار و استعمال کرنے کی اجازت کیسے دے سکتی ہے؟اور اس گروہ کے پاس ان اسلامی شعائر کے استعمال کا کون سا اخلاقی جواز باقی رہتا ہے؟

کیا ایاز امیر صاحب کا یہ موقف تضاد پر مبنی نہیں کہ قادیانیوں کو کافر قرار دینے والا پارلیمانی فیصلہ تو ختم کرنا چونکہ مشکل ہے اس لئے وہ تو موجود رہے۔لیکن ان کو مسلمان ظاہر کرنے والے اسلامی شعائر پر پابندی کا قانون، قانون کی کتابوں سے خارج کر دیا جائے۔یعنی آئینی ترمیم باقی رہے۔البتہ اس ترمیم کی عملی طور پر حفاظت کرنے والا قانون ختم کر دیا جائے؟

آرٹیکل ۶۲ اور ۶۳ کے خاتمہ کا مطالبہ:

ایاز امیر صاحب کی طرف سے دستور پاکستان کے آرٹیکل ۶۲ اور ۶۳ کے خاتمہ کا مطالبہ بھی سامنے آیا ہے۔ان مذکورہ دونوں آرٹیکلز کے اندر ایاز امیر صاحب اور ان جیسے دیگر اشتراکی و سیکولر افراد و طبقات کے لیے کون سی چیزیں تکلیف دہ اور ناقابل برداشت ہو سکتی ہیں؟ان کا سرسری جائزہ لینا ضروری ہے۔دستور کا آرٹیکل ۶۲، ۹ شقوں پر مبنی ہے جس میں رکن پارلیمنٹ کے لئے شرائط رکنیت بیان کی گئی ہیں۔جن کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

پارلیمنٹ کا رکن وہ ہو سکتا ہے جو۔۔ پاکستان کا شہری ہو۔۔۔ قومی اسمبلی کے لیے ۲۵ سال اور سینٹ کے لیے ۳۰ سال سے زائد عمر کا ہو۔۔۔اس کا ووٹ بنا ہوا ہو۔۔۔اچھے کردار کا حامل ہو۔۔۔احکام اسلامی سے منحرف نہ ہو۔۔۔اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو۔۔۔مقررہ اسلامی فرائض کا پابند ہو۔۔کبیرہ گناہوں سے بچنے والا ہو۔۔۔۔عقلمند اور پارسا ہو۔۔۔فاسق نہ ہو بلکہ ایماندار و امین ہو۔۔۔کسی اخلاقی پستی میں ملوث نہ ہو۔۔جھوٹی گواہی کے جرم میں سزا یافتہ نہ ہو۔۔قیام پاکستان کے بعد ملکی سلامتی کے خلاف اس نے کوئی کام نہ کیا ہو۔۔۔نظریہ پاکستان کا مخالف نہ ہو۔۔پارلیمنٹ ایکٹ کے تحت مقررہ شرائط کی اہلیت پر پورا اترتا ہو۔

یہ ہیں آرٹیکل ۶۲ کی وہ دستوری شقیں جن کے خاتمہ کا مطالبہ ایاز امیر صاحب کر رہے ہیں، ان شرائط کے خاتمہ کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایاز امیر صاحب چاہتے ہیں کہ رکن پارلیمنٹ کو۔۔۔۔اچھے کردار کا حامل نہیں ہونا چاہیے۔بدکردار سے بھی پارلیمنٹ کا کام چل سکتا ہے۔۔۔۔اسے احکام اسلامی سے منحرف ہونے کی اجازت ملنی چاہیے کیونکہ انکار خدا، انکار رسولؐ، انکار ختم نبوت کرنے والے توہین خدا، توہین رسالت، توہین قرآن کے مرتکب افراد کے رکن پارلیمنٹ بننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔اسلامی تعلیمات کا بنیادی و خاطر خواہ علم بھی رکن پارلیمنٹ کے لیے ضروری نہیں۔کیونکہ وہاں کون سی اسلامی قانون سازی کرنی ہے؟۔۔۔اسلامی فرائض کی پابندی والی شرائط بھی فضول و بے کار ہیں۔نماز، روزہ حج، زکوۃ کی ادائیگی کا بھلا پارلیمنٹ سے کیا تعلق؟۔۔۔۔کبیرہ گناہوں سے بچنے کی پابندی والی شرط بھی دستور پر خواہ مخواہ کا بوجھ ہے۔کیونکہ کرپشن، رشوت، ناجائز کمیشن، ٹیکس چوری، سرکاری رہائشوں اور دفاتر میں بجلی کے اندھا دھند استعمال، منصب و اختیار کے حدود سے تجاوز وغیرہ جیسے کبیرہ گناہوں سے بچ کر بھلا حکومتی کابینہ کے غریب و مفلس وزراء اور اعلیٰ افسران اپنے بچوں کا خرچہ کیسے چلا سکتے ہیں؟۔۔۔عقلمندی اور پارسائی کی شرائط بھی نرا تکلف ہے۔بھلا آج کے دور میں عقلمندی و پارسائی کا تلاش کرنا

کار عبث نہیں تو کیا ہے؟ ـــــ ایمانداری وامانت داری کی شرط بھی حکومتی حلقوں کے خلاف ایک خوفناک منصوبہ ہے کیونکہ اگر اس شرط پر عملدرآمد ہو گیا تو نہ صرف مستقبل کا قومی خزانہ سیاستدانوں کی پہنچ سے دور ہو سکتا ہے، بلکہ ۶۳ سالہ پرانے کھاتے بھی کھل سکتے ہیں۔ اور گڑھے مردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ؟ ـــــ اخلاقی پستی میں ملوث نہ ہونے کی شرط بھی غیر ضروری ہے۔ کیونکہ کلب جانا، ڈانس ورقص دیکھنا، میراتھن ریس کا نظارہ کرنا، کتے گودلیکر واک کرنا، یہ تو سب کچھ ہماری اونچی سوسائٹی کا کلچر ہے۔ اس کے بغیر بھلا پارلیمنٹ میں بیٹھنے کا مزہ کیا آئے گا؟ ـــ نظریہ پاکستان کا مخالف نہ ہونے کی شرط لگائی ہی اشتراکی وسیکولر طبقات کے لیے گئی ہے ـــ غرضیکہ قارئین کرام اچھی طرح اندازہ کر چکے ہوں گے کہ ایاز امیر صاحب دستور کے آرٹیکل ۶۲ کے خاتمہ کا مطالبہ کیوں کر رہے ہیں؟ اور اس مطالبہ کے پیچھے ان کے عزائم مقاصد کیا ہیں؟ اس طرح آرٹیکل ۶۳ کا خاتمہ بھی ایاز امیر صاحب کا مطالبہ ہے۔

یہ آرٹیکل ۶۳، ۱۶ شقوں پر مشتمل ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ رکنیت پارلیمنٹ کے لئے ہر وہ شخص نااہل ہوگا .... جو فاتر العقل ہو .... غیر برأت یافتہ دیوالیہ ہو .... پاکستان کا شہری نہ ہو .... کسی منفعت بخش عہدہ پر فائز ہو .... سرکاری یا نیم سرکاری ادارہ کا ملازم ہو .... نظریہ پاکستان کا مخالف ہو .... پاکستان کی سلامتی اور سالمیت کے خلاف کسی سرگرمی میں ملوث رہا ہو .... اخلاقیات یا امن عامہ کے قیام کی راہ میں رکاوٹ ہو .... عدلیہ کی آزادی ودیانتداری کے خلاف کسی پروپگنڈہ میں شریک ہو .... مسلح افواج کے لئے بدنامی و تضحیک کا باعث ہو .... کسی اخلاقی پستی میں ملوث رہ کر کم از کم ۲ سالہ سزا یافتہ ہو .... کسی غلط روی کی وجہ سے سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیا گیا ہو .... سرکاری ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے اسے ابھی ۲ سال کا عرصہ نہ گزرا ہو .... بدعنوانی یا غیر قانونی حرکت کا مجرم قرار دیا گیا ہو .... سیاسی جماعتوں کے ایکٹ ۱۹۶۲ء کی دفعہ ۷ کے تحت سزا یافتہ ہو وغیرہ۔

اس آرٹیکل کے اندر بھی ایاز امیر صاحب کے لئے پریشانی وسردردی کا سامان کیا ہے؟ اور ان شرائط کا خاتمہ کر کے وہ کس قسم کی پارلیمنٹ کا قیام چاہتے ہیں؟ اس کا اندازہ بھی باسانی کیا جا سکتا ہے۔

دستور معطل کرنے کا مشورہ

ایاز امیر صاحب نے دستور کی اسلامی دفعات وقوانین معطل وغیر مؤثر کرانے کے لئے ایک سیکولر سیاسی پتہ پھینکا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دستور کی "اوور ہالنگ" کے لئے پارلیمانی کمیٹی کی بجائے اعلیٰ تعلیم یافتہ علماء ومشائخ پر مشتمل کمیٹی بنائی جائے جو اپنی سفارشات مرتب کرے۔ ان کی سفارشات کی حتمی منظوری تک آئین سمیت پاکستان کے تمام قوانین کو ضیاء بغاوت سے پہلے کی صورت میں بحال کر دیا جائے ایاز امیر صاحب کے اس مطالبہ پر بغور متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

(۱) سب سے پہلے تو اس کے اس پہلو پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ ایاز امیر صاحب کے نزدیک اعلیٰ تعلیم یافتہ علماء ومشائخ سے کون لوگ مراد ہیں؟ وہ لوگ جو سالہا سال سے تفسیر وحدیث اور دیگر علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں یا وہ لوگ جو باقاعدہ دینی نصاب کی تکمیل کئے بغیر ٹی، وی چینلوں پر لیکچراری کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں؟

(۲) پارلیمانی کمیٹی سے ہٹ کر حکومت پاکستان کے پاس اسلامی تعلیمات کے مطابق قانون سازی کی سفارشات مرتب کرنے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے سرکاری ادارہ موجود ہے اس ادارہ کے ریکارڈ میں مرتب کردہ سفارشات بھی موجود ہیں۔ اور ایاز امیر صاحب کے علم میں ہونا چاہئے کہ جنرل ضیاء شہیدؒ کی طرف سے تیار کردہ جملہ اسلامی قوانین اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر ہی مبنی ہیں اگر ایسی سفارشات کی تیاری کے لئے الگ کمیٹیاں ہی تشکیل دینی ہیں تو اس مقصد کے لئے قائم کردہ اس ادارہ پر کروڑوں روپے خرچ کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟

(۳) اسلامی نظریاتی کونسل اسلامی قانون سازی کے لئے اب تک جو سفارشات مرتب کر چکی ہے جس میں بلاسود بینکاری، قمار بازی کا خاتمہ، حدود اللہ کی قرآن وسنت کے مطابق تعیین وغیرہ امور شامل ہیں، ایاز

امیر صاحب ان سفارشات کو تو قانونی شکل دلانے کے لئے پیش قدمی کریں اس سرکاری ادارہ اور اسکی سفارشات کو بائی پاس کر کے ایک نئی کمیٹی یا نئے کمیشن کے قیام کا مطالبہ کرنے کو ایک شریرانہ حرکت کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے؟

(۴) اس صورت حال سے صاف ظاہر ہے کہ ایاز امیر صاحب کا یہ مطالبہ و مشورہ دیانت پر مبنی نہیں بلکہ اس سے ان کا مقصد صرف اور صرف دستور میں تخریب کاری ہے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ جملہ آئینی ترامیم کو معطل کر کے ایک کمیٹی یا کمیشن کے ذریعہ طویل عرصہ تک اسے عدالتی نظام سے بے دخل کر دیا جائے تا کہ رفتہ رفتہ وہ سفارشات اور یہ ترامیم وقوانین سرد خانہ میں چلے جائیں جیسا کہ ۶۳ سال سے ان گنت ایسی کمیٹیوں کی سفارشات پر مبنی فائلیں ہزاروں فائلوں کے نیچے دب کر دم توڑ چکی ہیں۔ ۶۲ سال سے تو ہماری مسئلہ کشمیر کی منظور شدہ قرارداد کی فائل اقوام متحدہ آفس میں ان گنت فائلوں کے نیچے اس قدر دب کر رہ گئی ہے کہ اس کی آہیں اور سسکیاں بھی سنائی نہیں پڑتیں اور یہی ایاز امیر صاحب کا مقصد و منصوبہ ہے۔

ایک ہی نصاب........کا........ مضحکہ خیز مطالبہ

ایاز امیر صاحب قرارداد مقاصد کو دستور میں شامل کرنے اور اسکی روشنی میں اسلامی قانون سازی سے کیوں پریشان ہیں؟ وہ اسلامی قوانین کے خاتمہ کے لئے کیوں سرگرم عمل ہیں؟ اور اس کے لئے بھونڈی سفارشات وتجاویز کا جال کیوں بچھا رہے ہیں؟ اب ہم ان کے حوالہ سے ایاز امیر صاحب کے عزائم و مقاصد کا جائزہ لینا چاہیں گے حقیقت یہ ہے کہ وہ اسلام دشمنی کے حوالہ سے اپنی سیکولر فکر میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے اسلامی قوانین کے ساتھ ساتھ مدارس دینیہ سے اسلامی نصاب کے خاتمہ کا مطالبہ بھی کر دیا ہے۔ گویا وہ اسلامی تعلیمات کو صرف نظام سے ہی بے دخل کرنے کا پروگرام نہیں رکھتے بلکہ ان کو نصاب سے بھی نکال باہر کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے وہ جو موقف و تجویز سامنے لائے ہیں وہ نہ صرف غیر فطری و ناقابل عمل ہے بلکہ سراسر مضحکہ خیز بھی ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ پورے ملک کے اندر ایک ہی نصاب تعلیم ہو، پہاڑی علاقوں سے لے کر ساحلی علاقوں تک تمام تعلیمی اداروں میں ایک ہی نصاب پڑھایا جائے اور پہلے سے موجود تمام نظاموں سے نجات حاصل کر لی جائے۔ پورے ملک میں ایک ہی نصاب ہو، جسے وہ قومی نصاب کا نام دیتے ہیں اس بارہ میں ان کی اصل پریشانی و سردردی فقط اتنی ہے کہ دینی نصاب کے حوالہ سے مدارس دینیہ کا تشخص کیوں باقی ہے؟ اور ان مدارس دینیہ کے ذریعہ اسلامی تہذیب وثقافت اور مشرقی کلچر و حیا ابھی تک کیوں زندہ ہیں؟ خداوندان اشتراکیت نے بخارا وثمرقند سمیت پورے ایشیاء سے ان کے آثار مٹا دیئے تھے ترکی جیسے خلافت عثمانیہ کے مرکز میں اسلامی تہذیب کے نشانات ناپید کر دیئے تھے، پھر ہمارے ہاں یہ آثار اب تک کیوں باقی ہیں؟

کیا دینی نصاب......قومی ضرورت نہیں؟

جنرل پرویز مشرف اور انکی سیکولر ٹیم نے پوری ریاستی قوت استعمال کرتے ہوئے سرکاری مشینری اور سرکاری میڈیا کے ذریعہ یہ مکروہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ علماء اور مدارس دینیہ کے طلباء قومی دھارے سے الگ ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان کا تعلیمی نصاب قومی ضرورت کو پورا نہیں کرتا۔ اور یہ لوگ معاشرہ پر ایک ناقابل برداشت بوجھ ہیں۔ اور ایوان صدر کی یہی صدائے بازگشت ایاز امیر صاحب کے اخباری کالموں کے ذریعہ بھی سنائی دے رہی ہے۔ ان کا مذکورہ یک نصابی فارمولے کا فلسفہ صرف اور صرف دینی مدارس کے دینی نصاب کو ختم کرنے یا اسے کھڈے لائن لگانے کے لیے ایجاد واختراع کیا گیا ہے۔ حالانکہ کوئی حقیقت پسند انسان اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ۔۔۔ جس طرح میڈیکل کا نصاب ایک قومی ضرورت ہے۔۔۔ لاء کا نصاب ایک قومی ضرورت ہے۔۔۔ انجینئرنگ کا نصاب ایک قومی ضرورت ہے۔۔۔ اسی طرح دینی نصاب بھی ایک قومی ضرورت ہے۔ جسے ایک باایمان مسلمان ہی محسوس کر سکتا ہے۔ کیونکہ ہر باایمان مسلمان مساجد کو قومی ضرورت جانتا ہے۔ دینی تعلیمات کو قومی ضرورت جانتا ہے۔ اور اس قومی ضرورت کے لیے دینی نصاب ناگزیر ہے حتی کہ 73ء کا آئین مملکت و ریاست پر اس قومی ضرورت کو پورا کرنے کی آئینی ذمہ داری عائد کرتا ہے۔ چنانچہ آئین 73ء کے آرٹیکل ۳۱ کی شق

نمبر(2) میں یہ صراحت مذکور ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں کے بارہ میں مملکت مندرجہ ذیل امور کے لیے کوشش کرے گی۔ کہ

(ا) قرآن پاک اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینا، عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا، اور اس کے لیے ہر ممکنہ سہولت بہم پہنچانا اور قرآن پاک کی صحیح و من و عن طباعت و اشاعت کا اہتمام کرنا۔۔۔(ب) اتحاد اور اسلامی اخلاقی معیاروں کی پابندی کو فروغ دینا (ج) زکوۃ، اوقاف اور مساجد کی باقاعدہ تنظیم کا اہتمام کرنا

ایاز امیر صاحب سے اگر ممکن ہو سکے اور ان کو اپنے اشتراکی و سیکولر فکر کے خول سے باہر جھانکنے کی فرصت مل سکے تو انہیں دستور 73ء کے مذکورہ آرٹیکل کا مطالعہ کرنے کی تھوڑی سی زحمت ضرور گوارا کر لینی چاہیے۔ کیونکہ اس میں قرآنی و اسلامی تعلیمات کو لازمی قرار دینے کی ذمہ داری مملکت پر عائد کی گئی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ دستور پاکستان جن امور کی تعلیم کو مملکت پر لازم قرار دے رہا ہے اور اس کے لیے ہر ممکنہ سہولت فراہم کرنے کو ریاستی ذمہ داری تسلیم کر رہا ہے، ایاز امیر صاحب اس نصاب کو ہی ختم کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں، کیا یہ آئین سے غداری نہیں؟

کیا۔۔۔کوایجوکیشن۔۔۔۔ضروری ہے؟

ایاز امیر صاحب اپنی سیکولر ذہنیت کے مطابق اپنے اشتراکی فکر کا ایک اور پتہ پھینک رہے ہیں۔ ان کے نزدیک زنانہ و مردانہ نصاب تعلیم ایک ہی ہونا چاہیے۔ اور مقصود اس سے ان کا کوایجوکیشن کو قانونا رواج دینا ہے۔ اگرچہ مخلوط نظام تعلیم کا رواج ایک عرصہ سے ملک کے اندر موجود ہے۔ مگر پرویز مشرف کی اشتراکی فکر کے لوگوں کی یہ خواہش و کوشش ہے کہ اس اختیاری درجہ کو قانونی درجہ دیا جائے۔ اور غیر مخلوط تعلیمی ادارے، کاروباری ادارے اور تجارتی مراکز پر پابندی عائد کر دی جائے۔ تاکہ جو تعلیمی و کاروباری ادارے غیر مخلوط نظام چلانا و جاری رکھنا چاہتے ہیں، ان سے ان کا صوابدیدی اختیار بھی ختم کر دیا جائے اور جس طرح روس نے وسط ایشیائی ریاستوں کے اندر اور مصطفیٰ کمال اتاترک جیسے اشتراکی نے قومیت پرستی کے نام پر ترکی کے اندر لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے بعد ریاستی جبر و بربریت کے ذریعہ مسلمانوں سے ان کا تعلیمی و تہذیبی تشخص چھین لیا تھا۔ یا جس طرح فرانس کے اندر ریاستی جبر کے ذریعہ مسلم خواتین پر حجاب کی پابندی عائد کر کے، اور ناروے و ہالینڈ کے اندر ریاستی جبر کے ذریعہ مساجد کے میناروں کو غیر قانونی قرار دے کر وہاں کے مسلمانوں سے ان کی دینی و تہذیبی شناخت ختم کرنے کی کوشش کی گئی یا کی جا رہی ہے۔ اسی طرح پاکستان کے اندر بھی ہماری ملی و تہذیبی شناخت ختم کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حالانکہ ان کا یہ تصور و مطالبہ اور انکی یہ خواہش و کوشش آئین پاکستان سے بھی کھلا ہوا تصادم ہے۔ کیونکہ دستور پاکستان کے آرٹیکل 37ء کی شق نمبر 7 میں مملکت کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ ریاست انسانی فطرت کے مطابق کام کی شرائط کا تعین کرے گی اور عورتوں اور بچوں کو ایسی ملازمتوں میں نہ جانے دے گی جو ان کی عمر اور جنس کے لیے مناسب نہ ہو۔

ایاز امیر صاحب ۷۳ء کے دستور پاکستان کی مذکورہ دفعہ کو اچھی طرح ملاحظہ فرما کر یہ وضاحت فرما دیں کہ وہ کون سے حقوق اور امور ہیں جن کی وجہ سے عورت اور مرد کے درمیان آئینی تفریق کی گئی ہے؟ وہ کون سی ایسی ملازمتیں ہیں جو جنسی حوالہ سے عورتوں کے لیے غیر مناسب قرار دی گئی ہیں؟ اور مملکت کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے لیے ان ملازمتوں پر پابندی عائد کرے؟ گویا 73ء کا آئین صاف لفظوں میں جنسی تفریق کے حوالہ سے مرد عورت کے درمیان حقوق اور ملازمتوں کی تعیین و تقسیم کرتا ہے اور بعض ملازمتیں جنسی حوالہ سے عورتوں کیلئے غیر مناسب بھی قرار دیتا ہے

ایک ہی زبان.........کا...........مضحکہ خیز مطالبہ

مسلمانوں کی دینی و ملی زبان عربی ہے کیونکہ قرآن پاک فرامین رسولؐ اور اسلامی فقہی تعلیمات کا بیشتر ذخیرہ عربی زبان میں ہے اور فرمان نبویؐ کے مطابق اہل جنت کی زبان بھی عربی ہو گی اس اعتبار سے عربی زبان کو مسلمانوں کے تعلیمی نصاب سے خارج کرنے کی ہر سازش و کوشش خالص شریرانہ و مفسدانہ ہے ایاز امیر صاحب کی اسلام دشمنی کا عالم یہ ہے کہ انہیں صرف اسلامی قانون سازی، اسلامی تہذیب و تمدن، اسلامی کلچر و ثقافت، اسلامی نظام تعلیم اور اسلامی نصاب تعلیم سے ہی انکار اور اختلاف نہیں بلکہ وہ قرآنی و نبویؐ اور جنتی زبان کو قبول و

گوارہ کرنے پر بھی آمادہ نظر نہیں آتے ان کا کہنا ہے کہ پورے ملک کی ایک زبان ہونی چاہیئے اور انہوں نے اپنی ذاتی ترجیحات کی بنیاد پر جن دو زبانوں کا تذکرہ کیا ہے وہ اردو اور انگلش ہیں۔یعنی دونوں زبانوں میں سے ایک ہونی چاہیے حالانکہ دستور 73 کے آرٹیکل 31 کی شق نمبر 2 میں یہ صراحت مذکور ہے کہ عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا اور اس کے لئے ہر سہولت بہم پہنچانا مملکت کی ذمہ داری ہے۔ایاز امیر صاحب چونکہ فرنگی زبان پر کافی مہارت رکھتے ہیں اور انگلش میں کالم نویسی کا شوق بھی پورا کرتے ہیں اس لئے ان کی سرتوڑ کوشش ہے کہ قومی زبان کے حوالے سے اردو کا پتہ بھی کاٹ دیا جائے۔اور ملک میں صرف فرنگی زبان ہی رائج پائے۔اس لئے وہ اردو میڈیم سکولز کے بھی مخالف ہیں۔دراصل یہاں بھی ان کی اصل سردردی و پریشانی یہی ہے کہ کسی نہ کسی ذریعہ سے قرآنی ونبوی زبان (عربی) پر پابندی عائد کی جائے اور اس کے لئے وہ قومی زبان اردو کی قربانی دینے کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔

ایک ہی ورزش۔۔۔۔اور۔۔۔۔ایک ہی لباس کا سیکولر مشورہ

ایاز امیر صاحب نے مرد وعورت کی برابری کے حوالے سے جہاں ایک جیسے نصاب ونظام تعلیم کا مطالبہ کیا ہے وہاں ان دونوں کے لئے ایک جیسی تفریح اور ایک جیسی ورزش اور ایک جیسے لباس کا مطالبہ بھی کردیا ہے یعنی وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح اکھاڑے کے اندر مردوں کی کشتیاں ہوتی ہیں اسی طرح عورتوں کی بھی کشتیاں ہوں۔مردوں کی طرح عورتیں بھی کبڈی کھیلیں۔مردوں کی طرح عورتوں کی بھی کرکٹ، ہاکی۔فٹ بال۔والی بال۔باسکٹ بال کی ٹیمیں ہوں۔مردوں کی طرح عورتیں بھی ریسلنگ کریں یعنی لیڈی ریسلنگ ٹیمیں بھی تیار ہونی چاہئیں۔تیراکی اور ماڈلنگ میں بھی عورتوں کو حصہ لینا چاہئے۔غرضیکہ اس حوالے سے یورپین واشتراکی ممالک میں مرد اور عورت کے مساویانہ حقوق اور برابری کا جو فتنہ اپنے عروج پر ہے اور جس فتنہ نے ان اقوام کی اخلاقی قدریں پامال کرکے رکھدی ہیں ان کے اندر حیاء اور غیرت کا جوہر جنس نایاب ہوکر رہ گیا ہے اسی طرح پاکستان کی مسلم سوسائٹی بھی اس ملعون ومردود فتنہ میں مبتلا ہوکر رہ جائے۔جس طرح مختلف تفریحات اور ورزشوں کے اندر لباس اور یونیفارم بھی مختلف ہوتے ہیں کرکٹ یونیفارم الگ ہے ہاکی،فٹ بال وغیرہ گیمز کا یونیفارم علیحدہ ہے کشتی۔کبڈی۔ریسلنگ وغیرہ اور تیراکی وغیرہ گیمز کے لئے یونیفارم اور ہیں۔اسی طرح مرد وعورت کا لباس بھی ایک جیسا ہونا چاہئے گویا کارل مارکس اور اینجلز کے فلسفہ کی روشنی اور یورپین اشتراکی تہذیب کے آئینہ میں وہ مرد وعورت کے درمیان ہر قسم کی فطری تفریق ختم کردینا چاہتے ہیں جو خالق کائنات نے تخلیقی طور پر ان کے درمیان قائم کی ہے۔اس بارہ میں ایاز امیر صاحب کا موقف ملاحظہ فرمایئے فرماتے ہیں کہ

جب تمام پاکستانی طالب علم چاہے لڑکا ہو یا لڑکی ایک ہی قسم کی کتابیں پڑھیں گے،ایک ہی قسم کی زبان یعنی اردو، انگریزی یا دونوں کی کوئی ایک صورت سیکھیں گے، ایک ہی قسم کی جسمانی ورزش کریں گے،ایک ہی قسم کے کپڑے پہنیں گے تو وہ ایک دن ایسا ہوگا جب ہم دعویٰ کرسکیں گے کہ قومی تعمیر کے راستے پر ہم نے پہلا قدم رکھا ہے۔

حدیث مبارکہ

حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے مضبوط کڑا تقویٰ کا کلمہ یعنی کلمہ شہادت ہے اور سب سے بہترین ملت حضرت ابراہیمؑ کی ملت ہے اور سب سے بہترین طریقہ حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور سب سے اعلیٰ بات اللہ کا ذکر ہے اور سب سے اچھا بیان قرآن کریم ہے سب سے بہترین کام وہ ہیں جو عزیمت والے ہوں اور ان کا کرنا اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار دیا ہے۔

اور سب سے برے کام وہ ہیں جو (شریعت) میں نئے ایجاد کیے گئے ہوں اور سب سے زیادہ اندھا پن ہدایت کے بعد گمراہ ہونا ہے اور بہترین علم وہ ہے جو نفع دے اور بہترین سیرت وہ ہے جس پر چلا جائے اوپر والا ہاتھ نیچے والے سے بہتر ہے اور جو مال کم ہو اور انسان کی ضروریات کیلئے کافی ہو بہتر ہے اس مال سے جو زیادہ ہو اور اللہ سے غافل کر دے۔ (اخرجہ الحاکم ج۴)